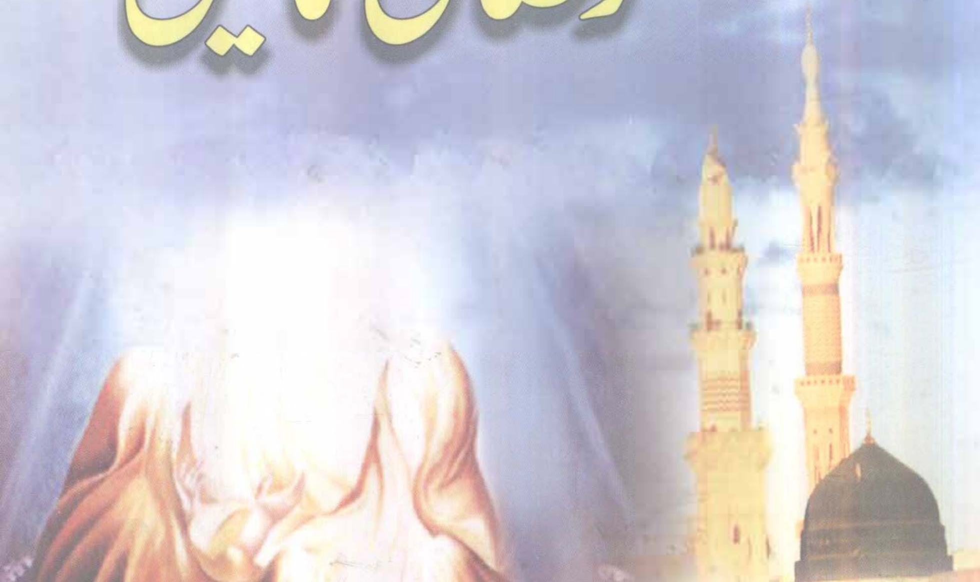
رسول اکرم ﷺ کی
رضاعی مائیں



ڈاکٹر پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

مکتبہ قاسم العلوم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

رضاعی مائیں

ڈاکٹر پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

مکتبہ قاسم العلوم

نام کتاب

رسول اکرم ﷺ کی

رضاعی مائیں

مصنف

ڈاکٹر پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

اہتمام ———— ملک اسد علی قاسمی
مطبع ———— گنج شکر پریس
ناشر ———— مکتبہ قاسم العلوم

ملک اینڈ کمپنی
رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان
042-37231119 , 0321-4021415

انتساب

تمام رضاعی ماؤں کے نام

محمد یٰسین مظہر صدیقی

فہرست مضامین

تقدیم

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علیٰ سید المرسلین، وعلیٰ آله وأصحابه أجمعین ومن تبعهم بإحسان إلیٰ یوم الدین۔

رضاعت ایک قدیم ترین فطری قانون ہے۔ نومولود کی ولادت کے معاً بعد ہی اس قانونِ الٰہی کی کارفرمائی شروع ہو جاتی ہے۔ عام حالات میں بچے/ بچی کی ماں اس کی محبت آگیں پیروی میں اسے دودھ پلاتی ہے، اور نومولود کے پیٹ میں ماں کا دودھ اولین غذا بن کر اترتا ہے۔ اس رضاعتِ مادری کا فطری، سماجی، دینی، تہذیبی پہلو تو ہے ہی، اس کو بالعموم تمام انسانی سماجوں میں فالِ نیک سمجھا جاتا ہے۔ ماں کی رضاعت ایک مسلّمہ حقیقت ہے، جس کے لئے کسی دوسری شہادت کی ضرورت نہیں۔ وہ فطرتِ انسانی کا ایک پرتو ہے۔ البتہ اس کی رضاعت کے بعض دوسرے پہلو ایسے ہیں جن میں احکام وروایات اور تہذیبی عناصر کی کارگزاری بھی ہوتی ہے۔ ان کے لئے بعض شہادتوں کی ضرورت پڑتی ہے اور ان کے سامنے آجانے سے مسلّمہ حقیقت بھی مستند ومدلل اور محکم ہو جاتی ہے۔ کلامِ الٰہی اور حدیثِ نبوی سے بڑھ کر اور کوئی شہادت نہیں۔

تاریخی توقیت کے لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی رضاعت کا بیان قرآن مجید میں بصراحت ملتا ہے: ''اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلا'' ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ﴾ (سورۂ قصص: ۷) ماں کو بچوں کی رضاعت کی مدت پوری کرنے کا حکم پورے دو سال تک دودھ پلانے کا ہے اور یہ عام اسلامی، ازلی، ابدی قانون ہے: ''اور لڑکے والیاں دودھ پلاویں اپنے لڑکوں کو، دو برس پورے، جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت'': ﴿وَالْوَالِدَاتُ

يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرۃ:۲۳۳) اسی آیت کریمہ میں ایک اور حکم یہ بھی ہے کہ "اور لڑکے والے پر ہے کھانا اور پہننا ان کا، موافق دستور کے" ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اسی آیت کریمہ میں اور بعض دوسری آیاتِ مقدسہ میں رضاعتِ والدہ کے دوسرے احکام بھی ہیں جیسے باہمی رضامندی سے دودھ چھڑانے کا عمل اور اس کے بعد دوسرے انتظاماتِ رضاعت کرنے کی اجازت وغیرہ۔

اسلامی رضاعت کے قانون واحکام ہوں یا سماجی روایات واقدار، دونوں اولین بچے کی ولادت کے دن سے چلے آرہے ہیں، اگرچہ قرآن مجید، احادیثِ شریفہ اور دوسرے آثارِ قدیمہ میں ان کا ذکر نہیں ملتا، تاہم وہ بلاسند ودلیل بھی نہیں ہیں۔ قرآنی اور حدیثی احکام سے یہ بہرحال واضح ہوتا ہے کہ رضاعتِ والدہ ایک حقیقتِ امری ہے اور ہمیشہ سے چلی آرہی ہے اور قیامِ قیامت تک جاری رہے گی جیسا کہ قرآن مجید کا اظہار ہے "جس دن اس کو دیکھو گے، بھول جاوے گی ہر دودھ پلانے والی اپنے پلائے کو" ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ﴾ (الحج:۲) اس کا پس منظر یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ اتنا شدید ہوگا کہ رضاعت کرنے والی ماں خوف وہراس سے رضاعت کا محبت بھرا کام اور اپنے بچے کی محبت والفت کو بھی بھول جائے گی، حالانکہ بچے سے ماں کی محبت بالخصوص دودھ پلانے والی کی محبت اپنی جان سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ اس کے لئے سب کچھ تج دیتی ہے۔

قرآن مجید کی ان شہادتوں کی مزید تشریح وتعبیر رسول اکرم ﷺ کی بہت سی احادیثِ شریفہ میں ملتی ہے۔ یہ حقیقت اہلِ علم ومعرفت کی نگاہوں سے اوجھل نہیں کہ حدیثِ نبوی بھی وحیِ الٰہی کی ایک قسم اور حکمِ ربانی کی ایک صورت ہے۔ بس فرق وامتیاز یہ ہے کہ حدیثِ نبوی کے الفاظ وکلمات رسول اکرم ﷺ کی زبان عربی

کے ہیں جب کہ ان کے معانی کی تنزیل الٰہی ہے۔ قرآنی آیات وکلمات اپنے معانی اور الفاظ دونوں اعتبار سے کلامِ الٰہی ہیں اور منزل من اللہ ہیں۔ حدیث بھی اللہ کی طرف سے اترتی ہے اور وہ بھی منزل من اللہ ہے۔ حکم واطلاق، کارگزاری اور کارفرمائی اور شریعت ودین کی تکمیل کے باب میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔

آیاتِ قرآنی مذکورہ بالا اور دوسرے احکامِ رضاعت پر محدثین کرام نے کتاب النکاح یا کتاب الرضاعۃ میں تمام احادیث جمع کردی ہیں۔ ان میں رضاعت کے مسلّمہ امر وحقیقت کے علاوہ رضاعتِ والدہ کی محبت آمیز روایت اور دوسری صنف رضاعت کے بھی احکام واوامر، قواعد وضوابط زیادہ وضاحت، صراحت، مفصل اور مدلل آئے ہیں اور واقعات سے مدلل بھی بنائے گئے ہیں۔ امام بخاریؒ نے کتاب النکاح کے کم از کم پانچ ابواب ایک ہی مقام پر رضاعت اور اس کے احکام وواقعات کے لئے مخصوص کیے ہیں۔ ان کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کی تشریح وتعبیر میں واقعاتِ رضاعت اور ان کے اصول کے اطلاقات کی بہت سی بنیادیں فراہم کی ہیں۔(۱)

رضاعی ماؤں کی رضاعت

قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں ماؤں کی صنف کے علاوہ خاص رضاعت کرنے والی خواتین کی صنف بھی بیان کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ ۲۳۳ کی مذکورہ بالا آیت کریمہ کا اگلا حصہ انھیں رضاعی ماؤں کے حکم وروایت اور قانون وضابطہ کو بتاتا ہے۔ ''اور اگر تم مرد چاہو کہ دودھ پلواؤ اپنی اولاد کو تو تم پر نہیں گناہ، جب حوالہ کردیا، جو تم نے دینا ٹھہرایا موافق دستور کے'' ﴿وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا

(۱) بخاری، احادیث: ۵۰۹۹۔۵۱۰۵؛ فتح الباری ۹/۱۷۵۔۱۹۷ نیز مابعد؛ نیز دوسری کتب حدیث وسیرت، مابعد کے ابواب؛ مقالہ خاکسار: عہد نبوی میں رضاعت، معارف اعظم گڈھ جون ۱۹۹۶ء، ۴۰۵۔ ۴۲۲۔ جولائی ۱۹۹۶ء، ۵۔۲۲۔

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ﴾ سورۂ بقرہ کی اس آیت کریمہ میں رضاعتِ غیر کے بارے میں چند احکام وروایات اور قوانین کا اختصار سے مگر انتہائی اعجاز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ وہ چند نکات کی شکل میں یہ ہیں:

- والدہ/ بچے کی ماں کی رضاعتِ دو سالہ پوری کرنا ضروری نہیں، وہ بیچ میں توڑی جا سکتی ہے۔
- دوسری مرضعہ/ رضاعت کرانے والی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماں کی مرضی اور باہمی رضامندی سے ایسا کرے۔
- کسی دوسری عورت سے رضاعت کرانے والے باپ پر مرضعہ کو ان کی خدمت کا معاوضہ دینا چاہئے۔
- یہ معاوضہ دستورِ وقت و معاشرہ کے مطابق ہونا چاہئے۔
- ان تمام اعمالِ رضاعت میں کسی قسم کا گناہ یا حرج نہیں ہے۔

رضاعتِ غیر یا دوسری دودھ پلائیوں (مرضعات/ مراضع) کا ذکر قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ کے علاوہ دوسری آیاتِ کریمہ میں بھی آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان دودھ پلائیوں کا وجود اور ان کی رضاعت کی روایت موجود تھی: سورۂ قصص کی آیات کریمہ ۷ اور ۱۲ کے مجموعی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ والدہ ماجدہ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹا دینے کے الٰہی وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آسیہؓ اور فرعونِ وقت کے انتظاماتِ رضاعت کو مسترد اور مرضعات کو ان پر حرام کر دیا تھا'' اور روک رکھی تھیں ہم نے اس سے دائیاں پہلے سے'' ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ﴾ یہ رضاعتِ غیر کی قدیم روایت کی بھی ایک دلیل وشاہد ہے اور کیا خوب اہم اور محکم دلیل وشاہد ہے۔

رضاعتِ غیر، مرضعات و مراضع اور دودھ پلائیوں کی روایتِ فطرت،

دینِ حنفی اور ملتِ ابراہیمی کا ایک حصہ تھی۔ قانونِ فطرت اور ازلی تہذیبی روایت کے اسباب وعناصر کے علاوہ عرب جاہلی معاشرے میں یہ رضاعتِ غیر دینِ حنفی سے ہی آئی تھی۔ بدوی زندگی نے بالخصوص اس کو جاہلی عربوں میں زیادہ مستحکم اور وسیع تر چلن اور عام رواج بخش دیا تھا۔ اس سے شہری بھی متاثر تھے۔ قرآن مجید نے سورۂ بقرہ ۲۳۳ یا دوسری آیات کریمہ میں جس رضاعتِ غیر کو ایک اسلامی روایت وقانون کی حیثیت سے بیان کیا ہے وہ جاہلی عرب کے معاشرے کی مسلمہ روایت کی تصدیق وتعبیر کرتی ہیں۔ وہ نئے دور کے اسلامی احکام نہیں بیان کرتی ہیں۔ وہ بچے کی ماں کی موجودگی میں کسی دوسری رضائی ماں سے رضاعت کرانے کے رواجِ عام کی تصدیق کرتی ہیں اور دوسالہ رضاعت کے عرصہ کو بھی اس کے لئے بھی جاری کرتی ہیں کہ دو سال کا عرصہ رضاعت کا عرصہ تھا خواہ وہ کوئی بھی کرے: حقیقی ماں کرے یا مرضعہ انجام دے۔ جیسا کہ احادیثِ نبوی اور سیرتی روایات اور تاریخی واقعات سے ان کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔ مزید تصدیق قرآنی سورۂ طلاق کی آیت کریمہ۔ ۶ کرتی ہے: اور اگر آپس میں ضد کرو، تو دودھ دے رہے گی اس کی خاطر، اور کوئی عورت:

﴿وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَى﴾

خون اور دودھ کے احکامِ اسلامی اور جہاتِ فطرت یکساں ہیں۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ دودھ بھی خون ہی کا ایک حصہ ہے۔ جس طرح خون کے رشتہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح دودھ کے رشتہ سے بھی اس کا اثبات ہوتا ہے۔ یہ رشتۂ حرمت وسیع معانی رکھتا ہے۔ بالعموم اس سے صرف نکاح کو حرام مراد لینے کا رجحان ہے حالانکہ تمام احکامِ حرمت اس سے مطلوب ہیں۔ یہ عام اسلامی حکمِ شریعت رہا ہے اور تمام سابقہ شرائع میں بھی اس کا برابر اطلاق ہوتا رہا جیسا کہ روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ سورۂ نساء: ۲۳ میں جن محرمات کا ذکر ہے ان میں رضائی ماؤں اور رضائی

بہنوں کا بطور خاص ذکر فرمایا گیا ہے اور اسے بعض دوسرے رشتوں کی حرمت پر مقدم رکھا گیا ہے۔" ان کو خالص خون کے رشتہ داروں کے بعد اسی باعث لایا گیا ہے کہ خون کے بعد دودھ کی حرمت آتی ہے۔" اور جن ماؤں نے تم کو دودھ دیا، اور دودھ کی بہنیں" ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ ان رضاعی ماؤں و بہنوں کی حرمت کو حقیقی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھتیجیوں اور بھانجیوں کے بعد ہی لایا گیا ہے جو خون کے رشتہ دار ہیں اور ازدواج کے رشتوں سے مقدم رکھا گیا ہے۔ لہٰذا ساسوں، بیویوں کی دوسرے شوہروں سے لڑکیوں، صلبی بیٹوں کی بہوؤں اور بیوی کی موجودگی میں اس کی بہنوں اور دوسرے کی منکوحہ کا ذکر رضاعی ماؤں اور بہنوں کے بعد کیا گیا ہے۔ تفسیر و حدیث کی روایات بھی اس حرمت کے تقدس کو بیان کرتی ہیں۔ محرمات سے نکاح کے حرام ہونے کے ضمن میں اس رشتۂ حرمت کا ذکر آیا ہے جس سے غلط فہمی یا کم فہمی پیدا ہوئی۔ نکاح کے علاوہ دوسرے بہت سے رشتے بھی ہوتے ہیں وہ سب خون کے رشتوں کی طرح دودھ کے رشتوں میں بھی مشترک ہیں جیسے ماں کی اطاعت، باپ کی تابعداری، بھائی بہنوں سے محبت اور تمام سے صلہ رحمی۔ پردے وغیرہ/حجاب کے رشتے بھی اس سے متعین ہوتے ہیں اور دوسرے سماجی رشتے بھی۔ ان کا ایک اچھوتا نمونہ رسول اکرم ﷺ اور دوسرے اکابرِ عہد کے رشتوں میں نظر آتا ہے۔

ماؤں کی رضاعت کے معاوضہ یا حسنِ سلوک میں قرآنی حکم اور سماجی روایت یہ ہمیشہ رہی ہے کہ بچوں کے باپ دادا ان کی پرورش و کفالت کرتے ہیں اور اپنے معاشی مقام و مرتبہ اور سماجی قدر و منزلت کے مطابق کرتے ہیں۔ دستور کے موافق ان ماؤں کا کھانا اور پہننا اور وہ بھی معروف دستور کے مطابق ہونا چاہیے جس میں کسی کو اپنی وسعت سے باہر نہ جانا پڑے، اور نہ تو والدہ کو اپنے لڑکے/بچے کی وجہ

سے ضرر پہونچے اور نہ بچے کے باپ کو اپنی اولاد کی وجہ سے تکلیف ہو۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ ۲۳۳ کے بقیہ حصہ آیت میں بیان الٰہی ہے۔ اسی میں مزید یہ بھی بیان ہے کہ اگر بچے کے والد موجود نہ ہوں تو اس کے وارثوں کے لئے بھی یہی حکم ہے: ﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ﴾

رضاعتِ غیر یا رضاعی والداؤں کے بارے میں قرآن مجید نے ایک دوسرے حکم اور سماجی ضابطے کو بیان کیا ہے۔ جو اصل ماؤں کے حکم و معاوضہ کے مطابق ہے۔ اصلاً وہ ماؤں کی رضاعت کے لئے ہی آیا ہے: ''پھر اگر دودھ پلاویں تمہاری خاطر تو دو ان کو ان کے نیگ: ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (سورۂ طلاق: ۶،۷) ان آیاتِ کریمہ میں سورۂ بقرہ گزشتہ کے تمام احکام و روایات کو دوسری تعبیرات کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ مفسرینِ کرام نے ان کی تشریح میں اسی طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ اسی سے یہ حکم نکالا گیا ہے کہ دوسری دودھ پلائیوں کو بھی ان کے دودھ کا معاوضہ ادا کیا جائے جس کے لئے قرآن مجید نے بہت خوبصورت لفظ ''أجر'' / أجور استعمال کیا ہے اور جس کی تعبیر نیگ، حق، بدلہ، صلہ وغیرہ سے کی گئی ہے اور جس میں معاوضہ سے زیادہ ان کی محبت آمیز خدمت کے بدلہ کا مفہوم شامل ہے، جو معاوضہ سے زیادہ وسیع اور عمیق ہے۔ دینِ حنیفی کی روایات اور عرب جاہلی اقدار میں یہ اسلامی احکام و اطلاقات اپنی اپنی شکل میں کارفرما و کارگزار تھے۔ ان کا ذکر رضاعتِ جاہلی کی روایاتِ سیرت و تاریخ اور سوانحی واقعات میں بڑی صراحت اور قطعیت کے ساتھ ملتا ہے۔ عہدِ نبوی میں رضاعت کے مضمون میں ان تمام مثالوں اور شکلوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کا ذکر رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کے حوالے سے بھی کسی نہ کسی شکل میں ملتا ہے۔

رضاعت کی سماجی منزلت

بعض سیرت نگاروں اور مورخوں وغیرہ نے بعض شعری دعووں کو حقائق مسلّمہ سمجھ لیا اور ان کی بنا پر یہ قطعی فیصلہ صادر فرمادیا کہ عرب جاہلی معاشرے میں عورت دودھ کا معاوضہ لینے سے مرجانا بہتر سمجھتی تھی۔ اس سے مزید نتیجہ نکالا کہ رضاعت کا کام باعثِ ننگ وعار تھا۔ تیسرا استنباط یہ ہوا کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے مجبوری میں اس باعثِ ننگ وعار طریقۂ آمدنی کو برداشت کیا تھا کیونکہ سالِ رضاعت نبوی ان کے علاقے میں قحط اور خشک سالی نے تمام دوسرے ذرائعِ زیست مسدود کردیئے تھے۔ اس کی طرح طرح کی تاویلیں کی گئی ہیں اور وہ بھی محض ایک شعری بیان کی تصدیق کی خاطر۔ مولانا شبلیؒ نے اس پر ایک خوبصورت، واقعی اور دلآویز حاشیہ لکھا ہے جو اس دعوے اور اس کے نتائج کی حقیقت بتاتا ہے۔

"سہیلی نے لکھا ہے کہ عرب میں دودھ پلانا اور اس کی اجرت لینا شریفانہ کام نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ اسی بنا پر عرب میں مثل ہے: "الحرة لاتاكل بثديها" اس بنا پر سہیلی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے اس سال قحط پڑا تھا اس لئے مجبوراً حضرت حلیمہؓ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی۔ لیکن تمام تاریخوں میں ہے کہ مکہ میں ہر سال باہر سے عورتیں اس کام کے لئے آیا کرتی تھیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا۔ یہ خیال اہلِ شہر اور امراء کے ساتھ مخصوص ہوگا"۔ (سیرۃ النبی ۱/۱۷۳ حاشیہ-۲)

اس پر مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ رضاعت کی تاریخ میں بہت سی شریف عورتوں کے اس حسنِ خدمت کا حوالہ آتا ہے۔ عرب جاہلی کی تاریخ سے بھی اور اسلامی تاریخ سے بھی اس کی ہزارہا شہادتیں فراہم کی جاسکتی ہیں اور درحقیقت کی بھی گئی ہیں۔ پھر معیوب سمجھنے والوں نے رضاعت کے متعلق آیاتِ قرآنی اور ان کے

احکام بھلا دیئے جن سے ان کے "اجور" کو ان کا حق وصلہ سمجھا گیا ہے۔ حضرت حلیمہؓ کی دوسری رضاعات کی روایات بھی نظر انداز کر دی گئی ہیں جن کے مطابق انھوں نے دسری برسوں میں متعدد دوسرے لوگوں کی رضاعت کی تھی یا دوسری مرضعاتِ شریفہ نے یہ حسنِ خدمت کا کام کیا تھا اور وہ قحط اور خشک سالی کی مجبوری کے زمانے بھی نہ تھے۔ یہ بھی فراموش کر دیا گیا کہ عرب جاہلی اور اسلامی محمدی سماج میں اور ان سے پہلے اور بعد کے دوسرے اسلامی معاشروں میں رضاعت ایک پیشۂ خواتین تھا۔ اور بہت ہی محترم و معزز، محبت آگیں اور الفت آمیز اور عزیز و محبوب پیشہ تھا جس کے اثرات تا زندگی رہتے تھے۔

عرب جاہلی روایاتِ رضاعت

عرب رضاعت کی بیشتر روایات رسول اکرم ﷺ کی رضاعتِ حلیمہ سعدیہ اور حضرت ثویبہؓ کے حوالے سے آتی ہیں۔ راویوں کی اس میں کوئی کوتاہی ہے اور مولفینِ کرام کی، کیونکہ ان کا اصل مقصود رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کے واقعات کو بیان کرنا تھا۔ ان کو دوسری بیشتر رضاعتوں سے جو بھی دلچسپی اور تعلق تھا وہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعی روایت اور رضاعی اخوت کے حوالے سے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت حمزہؓ کی رضاعتِ حضرت ثویبہؓ یا رضاعتِ سعدیہؓ اور ان جیسے دوسرے بیشتر واقعات اسی ضمن اور تناظر میں بیان کرتے ہیں یا ان سے مستنبط اسلامی احکام اور آثار اور قوانین کے بیان و تشریح کے لئے اپنے بیانیہ میں لاتے ہیں۔ وہ خالص جاہلی روایاتِ رضاعت کے بیان سے کچھ بھی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ یہ اصل میں جاہلی تاریخ عرب لکھنے والوں کا کام تھا کہ وہ اپنے زیرِ مطالعہ زمانوں سے ان کے ثبوت اور واقعات لاتے، مگر وہ نہ لائے، اس کا سبب واقعات اور مثالوں کی کمی ہے۔

بہر حال جاہلی روایاتِ رضاعت کی کمی خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو، ان کا فقدان

بالکل نہیں، چند روایات ہی سہی مگر وہ ثابت کرتی ہیں کہ عرب جاہلی سماج اور قریش مکہ میں خاص کر بعثت بلکہ ولادتِ نبوی سے قبل رضاعت کی سماجی قدر خاص مستحکم تھی۔ ان روایات کو چند اشخاص کے حوالے سے ایک تاریخی ترتیب کے ساتھ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے تا کہ تاریخی طور سے سند ہاتھ آئے۔

- جناب عبدالمطلب ہاشمی کے فرزندِ اکبر حارث (م پانچ سال قبل عام الفیل / ۵۶۶ء) کے ایک فرزند حضرت ربیعہ بن حارث ہاشمی تھے۔ وہ سن و عمر میں رسول اکرم ﷺ سے سات برس زیادہ تھے۔ ان کے فرزند ایاس بن ربیعہ ہاشمی کی رضاعت بنو سعد بن لیث میں ہوئی تھی اور رسول اکرم ﷺ سے قبل ہوئی تھی۔ ان کو دورانِ رضاعت ہی قبیلۂ ہذیل نے دشمنی میں قتل کر دیا تھا۔ (۱)
- حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ہاشمی اپنے بھتیجے حضرت ربیعہؓ بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی سے تین چار سال چھوٹے تھے۔ رسول اکرم ﷺ سے پہلے ان کی رضاعت حضرت ثویبہؓ نے کی تھی۔ روایات کا اختلاف ہے کہ وہ دو سال قبل ہوئی تھی یا چار سال قبل۔ بہر حال اس پر بحث آگے آتی ہے لیکن یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کی رضاعتِ ثویبہ رسول اکرم ﷺ سے پہلے ہوئی تھی۔
- حضرت حمزہؓ کے بارے میں ایک اور روایت یہ بتاتی ہے کہ ان کی ایک سعدی ماں بھی تھیں جنھوں نے رسول اکرم ﷺ سے قبل ان کی رضاعت کی تھی۔ اور انھوں نے رسول اکرم ﷺ کی رضاعت بھی ایک بار کر کے دونوں کو رضاعی برادر بنا دیا تھا۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: عہد نبوی میں رضاعت، ۴۱۶۔۴۱۷، نیز حاشیہ ۔۲۰؛ نیز شبلی سیرۃ النبی دوم ۱۵۶، حاشیہ ۔۱۔ بحوالہ مسلم و ابو داؤد، باب حجۃ النبی ﷺ؛ زرقانی ۲۰۱/۸؛ ابن ہشام ۴۰۹/۲؛ اسد الغابہ ۱۶۶/۲؛ ابن حجر اصابہ ۴۹۴/۲؛ الاستیعاب ۴۹۳/۲۔۴۹۴ وغیرہ۔ ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ ۱۴۹/۳ نے دو غلطیاں کی ہیں: ایک ربیعہ کے قتل و رضاعت کی بات کہی ہے اور دوسرے: بنو سعد سے مراد بنو سعد بن بکر قبیلہ حضرت حلیمہ مراد لیا ہے؛ بلاذری، انساب الاشراف ۷۹/۱: "فکان ربیعۃ أسن من رسول اللہ ﷺ بسبع سنین۔

- حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے ایک اور ہاشمی حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی کی بھی رضاعت کی تھی۔ وہ رسول اکرم ﷺ کے ہم عمر تھے اور رضاعت کے شریک اور بھائی۔ ان دونوں کے حوالے اور بحثیں آگے آتی ہیں۔

عرب جاہلی معاشرے میں رضاعت کی تاریخ مرتب کرنی مقصود نہیں ہے، صرف یہ دکھانا مطلوب ہے کہ عہدِ قدیم سے رضاعت کی سماجی، تہذیبی اور دینی اقدار چلی آرہی تھیں اور ان کے بارے میں عام بیانات اور شواہد کے علاوہ خاص مثالیں بھی ملتی ہیں خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کم ہو۔ ولادتِ نبوی کے وقت بہرحال رضاعتِ غیر، مرضعات اور ان کی خدمات کے تمام زاویے موجود تھے۔

انھیں اقدار، روایات اور اعمال کی پاسداری میں رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کا اسوہ مرتب ہوا۔ یہ بحث احادیثِ نبوی اور اسلامی احکام کے حوالے سے آتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نبوت سے قبل کی زندگی بھی قابلِ تقلید ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بعثتِ خاصہ سے پہلے بھی رسولِ اکرم ﷺ کو ایک قسم کی حفاظتِ الٰہی اور محفوظیت حاصل تھی، اگرچہ وہ خاص عصمتِ انبیاء کی جیسی ہی تھی کیونکہ عصمت نبوت کا لازمہ ہے اور وہ اسی کے ساتھ ہی شخصیتِ نبوت کو ملتی ہے۔ اسی محفوظیت وحفاظت وصیانتِ الٰہی کی بنا پر امام بخاریؒ نے بالخصوص اور دوسرے محدثینِ کرام اور فقہاءِ عظام نے ماقبل نبوت کے واقعات، احوال اور اعمال سے بھی استدلال، استشہاد اور استنباط کیا ہے۔ وہ شریعتِ اسلامی کا ایک خاص باب ہے۔(۱)

رضاعتِ نبوی کے بارے میں تمام واقعات وامور معروف ومشہور ہیں اور ان کو تمام سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے۔ البتہ آپ ﷺ کی رضاعی ماؤں کے

(۱) مفصل بحث کے لئے ملاحظہ: خاکسار کا مقالہ "بعثت نبوی سے قبل حفاظت وصیانت الٰہی کی نوعیت" غیر مطبوعہ/زیر طبع۔

بارے میں تفصیلات اور جزئیات ان میں پوری طرح سے سموئی نہیں جاسکیں کیونکہ ان کا تعلق رضاعی ماؤں اور ان سے متعلق شخصیات و احوال کی سوانح و تاریخ سے ہے جو ایک الگ منفرد موضوع ہے۔ قدیم و جدید سیرت نگاروں نے رسول اکرم ﷺ کی اصل مرضعات کے بارے میں ضرورت بھر معلومات ضرور فراہم کر دی ہیں اور بعض جامع روایات قسم کے قاموسی صاحبانِ قلم نے دیگر مرضعات کے بارے میں بھی بہت سی نئی معلومات جمع کر دی ہیں۔

اس مطالعہ کی خاص ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعی ماؤں پر کوئی جامع کتاب نہیں۔ دوسرے روایات کے جمع و تدوین کے عمل میں بہت سی نئی معلومات اور ان کی متعدد جہات نے بھی اس کا تقاضا برابر کیا۔ اس سماجی مطالعہ کی تیسری اہم وجہ یہ ہے کہ ان تمام روایات و اخبار کا بالعموم تجزیہ تاریخی تناظر میں نہیں کیا گیا بہت سے خلا اور خام گوشے سامنے آنے سے رہ گئے۔ روایتی سیرت نگار بالعموم تنقید و تجزیہ کرنے سے گریز ہی کرتے ہیں مآخذ و مصادرِ سیرت کے مسلسل مطالعہ نے رسول اکرم ﷺ کی رضاعت اور رضاعی ماؤں کے بارے میں بعض اچھوتی جہات کی طرف رہنمائی کی لہٰذا معلومات و اخبار کی جمع و تدوین اور تجزیہ و تحلیل کے بعد نگارش کا مرحلہ آیا اور اس نے ایک جامع کتاب مرتب کرادی۔ اس کے بنیادی مباحث حسب ذیل ہیں:

- رسول اکرم ﷺ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب زہریؓ کی رضاعت پر اولین بحث ہے کہ وہ ہی اولین مرضعۂ نبوی بھی تھیں۔ یہ ان کی مختصر رضاعت کی طرح خاصی مختصر بحث ہے۔ والدہ ماجدہ کی حیثیت سے ان کا مطالعہ ابھی باقی ہے۔
- صحیح معنوں میں آپ ﷺ کی اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہؓ (ثُ وَ ےْ

بَ ہٗ) تھیں۔ ان کے بارے میں بہت مختصر معلومات ہماری کتبِ سیرت۔ قدیم وجدید۔ میں ملتی ہیں۔ لیکن مصادرِ اصلی ان کے بارے میں معلومات کا ایک خزینہ اور اقدار کا ایک گنجینہ رکھتا ہے۔

- رسول اکرم ﷺ کی اصل اور مستقل رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہؓ ہیں۔ ان کی خدمتِ رضاعت کی ایک پوری تاریخ ہے جو متداول سیرتوں میں نہیں ملتی اور جو کچھ ملتی ہے وہ اجزاء اور ٹکڑوں میں ملتی ہے۔ مصادرِ اصلی میں ان کے بارے میں بھی ایک بڑا خزانہ ہے۔
- بعض جامع اور قاموسی سیرت نگاروں نے دوسری رضاعی ماؤں کے بارے میں بھی معلومات جمع کی ہیں لہٰذا آخر میں ان کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

سیرتِ نبوی کے مختلف موضوعاتِ جاذبِ قلب ونظر پر کام کرتے ہوئے حضرت ثویبہؓ کے بارے میں بہت سی معلومات ملیں تو ان کو یکجا کرنے کا خیال آنے لگا۔ روایات کی جمع وتدوین کے بعد ان پر ایک کافی مفصل مقالہ لکھنے کی خواہش ہوئی۔ توفیقِ الٰہی نے ایک ساعتِ سعید میں یہ کام شروع کرادیا اور فضلِ الٰہی نے اسے اپنے مسلسل فیضان سے مکمل کراکے چھوڑا۔ وہ پچاس صفحات پر مشتمل مقالہ یا کتابچہ بن گیا۔ بحث ومباحثہ اور تنقیح وتجزیہ کی بنا پر اس کی ضخامت اس قدر ہوگئی۔ جب وہ مقالہ پورا ہوگیا تو اس کے بعض مباحث کو اپنے بعض کرم فرماؤں کے سامنے مشورہ اور نقد کے لئے پیش کیا۔ ان کی ذرہ نوازی اور علم پروری نے اور کئی جہات سے آشنا کیا اور بعض منفرد تحقیقات کی تائید وتوثیق کرکے اس ہیچمداں کو تسلی دی ان میں مولانا عزیر شمس صاحب مکی مدظلہ قابل ذکر ہیں کہ ان کی بعض تائیدات نے خاکسار کو کافی طمانیت بخشی۔

ہماری رفیقِ حیات نے مقالہ کے بارے میں اپنی رائے تو کم دی البتہ یہ

مشورہ ضرور دیا کہ اس میں ایک اور مقالہ کا اضافہ کرکے اسے ایک کتاب بنا دیا جائے چنانچہ ان کے مشورے پر حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے بارے میں طویل تر مقالہ تیار ہو گیا۔ ایک اور "رفیق حیات" نے بھی یہی مشورہ دیا اور تائید مزید مل گئی۔ تیسرا مختصر مقالہ ان دونوں مطالعات کا شاخسانہ ہے۔ باقی تقدیم اور دوسرے اجزاء کتاب تو از خود شامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ کی رضاعی ماؤں پر یہ کتاب مکمل ہو گئی اس میں اطناب کا شکوہ ہو سکتا ہے اور بعض اہلِ نظر کو ضرور ہوگا مگر مباحث کے نقد و تجزیہ میں وہ ناگزیر سا بن گیا تھا۔

نبوی رضاعی ماؤں کا یہ حق مجھ خادمِ سیرت پر تو تھا ہی اور اس کو کچھ ادا کرنے کی حقیر سی کوشش کی گئی ہے۔ میری اپنی بعض رضاعی ماؤں اور بہنوں کی شخصیت طراز اور محبت خیز تربیت و شفقت نے بھی اس کتابِ مستطاب کا تقاضا کیا۔ ان کا حق تو یہ حقیر قاصرِ خدمت کیا ادا کر سکتا ہے، اس مطالعہ کے ذریعہ البتہ ان کی خدمات کو ایک خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہے۔ ان میں میری شفیق و عظیم ماں کے ساتھ ساتھ میری بڑی اماں بھی شامل ہیں اور ان کے حوالے سے ان کی دختریں اور میری بہنیں۔ ماؤں کی اتھاہ شفقت اور بیکراں خدمت سے مدت ہوئی محروم ہو چکا ہوں تاہم اپنی عزیز و کریم بہنوں میں سے بعض کی محبت سے ابھی تک بہرہ مند ہوں، لہٰذا یہ کتاب ان کے حوالے سے تمام رضاعی ماؤں کے نام معنون ہے کہ ان کی خدمات میں خلوص و وفا اور خدمت کا خالص جذبہ شامل ہوتا ہے۔

حسب دستور آخر میں اپنے تمام محسنوں اور مددگاروں کا شکریہ ادا کرنا لازمی سمجھتا ہوں کہ اب یہ رسمِ وفا بھی اٹھتی جا رہی ہے۔ یہ رسمی شکریہ نہیں ہے بلکہ اپنے ہر کام بالخصوص علمی کام میں ان کا احسان اپنے سر پر ہمیشہ محسوس کرتا ہوں اور ان کے احسانات و انعامات کا تشکر اس لئے نہیں ادا کرتا کہ ان کو اس کی کوئی ضرورت ہے بلکہ

مجھے اس کی شدید ضرورت ہے۔ اپنے اطمینانِ قلب کے لئے بھی اور اپنی احسان شناسی کے اظہار کے لئے بھی۔ کم ازکم ناشکرا تو نہ کہا جاؤں۔ پھر خلقِ خدا کا شکر ادا کرنا تو شکرِ الٰہی ادا کرنے کی ایک صورت بھی ہے۔ جامع شکریہ کے ساتھ ساتھ انفرادی شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

- اللہ رب العزت کا رواں رواں شکر ادا کرتا ہوں کہ زندگی کے تمام انعامات میں سے میری حقیر علمی خدمت اسی کا فضل خاص ہیں۔
- رسول اکرم ﷺ کے احسانات سے کوئی مومن نہیں بچ سکتا۔ خاکسار خادم تو اپنی زیر باری پر فخریہ تشکر ادا کرنا چاہتا ہے۔
- تمام بزرگ قدیم وجدید سیرت نگاروں اور دسرے اہل قلم وعلم کا مرہون منت ہوں کہ ان کی فراہم کردہ معلومات ہی نے تو راہ دکھائی۔
- والدین ماجدین کے بیکراں احسانات سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ والدہ ماجدہ نے جنم دیا اور رضاعت کی اور ان ہی کا دودھ خون بن کر رگوں میں رواں دواں ہے۔ وہی جسمانی تشکیل اور روحانی تطہیر کا باعث ہے۔ والد ماجد نے تعلیم وتربیت کی سرفروشانہ خدمت انجام دی اور ان کے خلوص ہی کی بدولت یہ طفلِ مکتب کسی قابل بن سکا۔
- میری زندگی کے سارے اچھے کاموں میں میری رفیقِ حیات کا سب سے بڑا علمی اور احسانی عطیہ رہا ہے۔ رفاقت، خدمت، محبت اور اتھاہ خلوص کی دولت ان کی ذات سے عبارت ہے۔ میں ان کا سرتاپا احسان مند ہوں۔
- اپنی تمام اولاد۔ فرزندوں، بہوؤں اور پوتے پوتیوں کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان سے ہزارہا خوشیاں ہر لمحہ نصیب ہوتی ہیں۔
- اپنے تمام علمی محسنین اور معاونین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ ہمت افزائی

کرتے ہیں اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ ان میں بطور خاص مولانا عبداللطیف اثری صاحب حفظہ اللہ کے لئے شکر گزار ہوں کہ محبت بھرے اصرار سے اس کتاب کی طباعت کا انتظام کیا۔

- فرزند ارجمند معین سلمہ اور شاگرد رشید جمشید احمد ندوی سلمہ کا شکریہ دل میں ہے کہ وہ اپنی خدمات سے مجھے اجاگر کرتے رہے ہیں۔
- اپنے ناشرین اور قارئین اور مبصرین و ناقدین کے لئے بھی سراپا سپاس ہوں کہ انھیں سے رونق بزم کتاب ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين، ولله الحمد في الأولىٰ والآخرة، ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم۔

محمد یٰسین مظہر صدیقی

۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

۳۰ رمئی ۲۰۰۶ء

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا

اولین رضاعی ماں

جاہلی عرب کی تہذیبی اقدار اور دین حنیفی کی اسلامی روایات کے عین مطابق رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ تمام حدیثی، سیرتی اور تاریخی روایات واخبار بتاتی ہیں کہ آپ ﷺ کے لئے دودھ پلائیاں تلاش کی گئیں۔ ''والتمس لرسول اللہ ﷺ الرضعاء، قال ابن ھشام: المراضع...... الخ'' قدیم ترین دستیاب سیرت ابن اسحاق (محمد بن اسحاق (۸۰/۶۹۹-۱۵۰/۷۶۷) کی روایت میں لفظ مذکور ''الرضعاء'' کی تشریح ابن ہشام (عبدالملک م ۲۱۸/۸۳۳) وغیرہ شارحینِ سیرت نے "المراضع" سے کی ہے اور قرآن مجید کی سورۂ قصص۔۱۲ میں واقع لفظ "المراضع" سے اسے مدلل کیا ہے۔(۱)

رضاعت والدۂ ماجدہ

ایک فطری اور تہذیبی روایت یہ بھی تھی کہ بچے بچی کی ولادت کے بعد اس کی ماں ہی اسے اپنا دودھ پلاتی تھی، لہٰذا وہ اولین مرضعہ/دودھ پلائی اور دایہ بن جاتی تھی۔ حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲/ربیع الاول عام الفیل/۲۰/اپریل ۵۷۱ء کے دن ہی آپ ﷺ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب زہری (م ۵۷۷ء) نے آپ کی اولین رضاعت فرمائی۔ سیرت نگاروں نے اس نکتہ پر بڑا زور دیا ہے کہ آپ ﷺ

(۱) ابن اسحاق، اردو ترجمہ، ۴۲، ابن ہشام ۱/۱۶۰، سہیلی، ۲/۱۴۴، ۱۶۳ و مابعد، بلاذری ۱/۹۲: "التمس له الرضاع" طبری ۲/۱۵۷ بروایت ابن اسحاق، مزید بحث حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعت کے باب میں) حلبی (علی بن برہان الدین م ۱۰۴۴/۱۶۳۴) انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون/سیرت حلبیہ، حیدرآباد دکن ۱۸۹۴، ۱/۸۴۔

کے معدہ میں سب سے پہلے جانے والی غذا والدۂ ماجدہ کا مبارک دودھ ہی تھا۔ اگرچہ اولین سیرت نگاروں میں سے بعض کے ہاں اس کی صراحت نہیں ملتی۔(۱)

حلبی ۸۴/۱ومابعد نے متعدد سیرت نگاروں کے اقوال پر مبنی اپنی بحث میں رضاعتِ والدہ ماجدہ کو اولیت دی ہے۔اس کی مدت میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں: ایک روایت کے مطابق والدۂ ماجدہ نے نو دنوں تک رضاعت کی تھی، قضاعی کی ''عیون المعارف'' کے مطابق صرف سات دنوں تک اور ''امتاع'' کے مطابق والدۂ ماجدہ نے سات ماہ تک دودھ پلایا تھا۔(۸۷/۱۔۸۸ بالخصوص)

امام حلبیؒ (علی بن برہان الدین حلبی شافعی، ۹۷۵/۱۵۶۷۔۱۰۴۴/۱۶۳۴) اور دوسرے سیرت نگاروں کی بحث کا خمیر دراصل اولین رضاعی ماں کی رضاعت کی اولیت وسبقت کے ضمن میں اٹھا ہے۔امام شامی (محمد بن یوسف صالحی شامی، م۹۴۲/۱۵۳۵،مؤلف سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد معروف بہ سیرت شامی) وغیرہ نے اولین رضاعی ماں کے دودھ کے رسولِ اکرم ﷺ کے بطنِ مبارک میں جانے کی بات کہی ہے جس سے ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی۔اسی کی تشریح میں امام حلبیؒ وغیرہ نے یہ صراحت کی ہے کہ والدۂ ماجدہ کا دودھ اولین غذا تھی جو آپ ﷺ نے نوش فرمایا۔اور رضاعی ماں کے اولین دودھ کا مطلب یہ ہے کہ وہ والدۂ ماجدہ کے دودھ کے بعد کسی رضاعی ماں کا اولین دودھ تھا۔ (۲)

جدید سیرت نگاروں میں سے اردو کے عظیم سیرت نگاروں نے رضاعتِ والدہ ماجدہ کو بطور ایک واقعہ بیان کیا ہے۔مولانا شبلی نعمانیؒ (۱۸۵۷۔۱۹۱۴ء) کا بیان ہے کہ

---

(۱) ابن اسحاق/ابن ہشام نے والدۂ ماجدہ کی رضاعت کا ذکر نہیں کیا۔سہیلی نے اپنے متون کی پوری پیروی کی ہے اور رضاعت آمنہ پر بحث نہیں کی۔۱۴۹/۲۔۱۶۳ ومابعد، ان کی متابعت کرنے والے بیشتر رواۃ نے اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔یہ روایتی تقلیدی رویہ دوسری جگہ بھی ملتا ہے۔جیسے بلاذری ۹۲/۱۔۹۴ ومابعد، شامی ۳۷۵/۱۔۳۸۰، دیگر متداول اور مشہور کتب سیرت کے مؤلفین میں بھی یہی رویہ ہے۔

(۲) حلبی ۸۸/۱ "أي أول لبن نزل جوفه ﷺ بعد لبن أمه" یہی بات متعدد قدیم وجدید سیرت نگاروں نے لکھی ہے۔نیز شامی، حوالہ مذکورہ بالا۔

''سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ نے دودھ پلایا'' (سیرۃ النبی ۱/۱۷۲) اگرچہ اس کا حوالہ کوئی نہیں دیا۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (۱۳۱۷/۱۸۹۹۔۱۳۹۴/۱۹۷۴ء) نے مولانا شبلیؒ کے بیان کو اپنے الفاظ میں پیش کر دیا ہے ''ولادت باسعادت کے بعد تین چار روز تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا'' (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۶۸) مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی کا بیان ہے کہ ''والدہ (آمنہ) نے کچھ دنوں دودھ پلایا'' (پیغمبر انسانیت، ۱) مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ نے اسے تسلیم کیا ہے (الرحیق المختوم: ۵۵) نواب سید صدیق حسن قنوجی بھوپالیؒ (۱۸۳۲۔۱۸۹۰ء) نے لکھا ہے کہ ''حضرت کو آٹھ بیبیوں نے دودھ پلایا، آپ کی ماں نے تین دن یا سات دن'' (الشمامہ، ۱۳)

متعدد جدید اہلِ قلم ایسے بھی ہیں جنھوں نے ابن اسحاق و ابن ہشام کی روایت کی پیروی میں رضاعتِ والدہ کا حوالہ نہیں دیا۔ غالباً ان کو بھی اس واقعہ سے انکار نہیں ہے لیکن وہ ایک خاص نقطۂ نظر کی متابعت میں دوسری روایات کی طرف دھیان نہیں دے سکے۔ ان میں قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور متعدد دوسرے بزرگ شامل ہیں (۱)

رضاعتِ ثویبہؓ

حدیث و سیرت اور تاریخ اسلامی کے بیشتر مآخذ کا اتفاق ہے کہ حضرت ثویبہ (ث و ے ب ہ) رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی اولین مرضعہ، رضاعی ماں، دودھ پلائی اور دایہ تھیں۔ امام محمد بن اسحاقؒ اور ان کے بیشتر پیروکاروں نے حضرت ثویبہؓ کی رضاعت کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس کے اسباب و وجوہ سے بحث کرنا ایک تحقیق طلب کام ہے۔ سرسری طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مرضعہ رَوائی کی تلاش و تگ و دو کی روایات میں ایسے گم ہوئے کہ اس واقعہ کو نظر انداز کر گئے۔ ابن اسحاقؒ کی روایات کے علاوہ تمام دوسرے مآخذ اور مولفینِ کرام نے حضرت ثویبہؓ کا ذکر آپ ﷺ کی بطور اولین رضاعی ماں کیا ہے۔

(۱) رحمۃ للعالمین ۱/۴۱، سیرت سرور عالم ۲/۹۳، ۹۵، السیرۃ النبویۃ ۹۹۔۱۰۰، نیز دیگر کتب سیرت عربی و اردو۔

ان میں سے اکثر و بیشتر کا بیان ہے کہ والدۂ ماجدہ کے بعد حضرت ثویبہؓ نے ہی آپ ﷺ کو کچھ دنوں تک دودھ پلایا تھا۔ ان متقدمین کی پیروی میں بہت سے متاخرین نے بھی حضرت ثویبہؓ کی اولین رضاعتِ نبوی کے واقعہ کو اپنے اپنے پیرائے میں بیان کیا ہے۔(۱)

شبلی وسلیمان ۱۷۲/۱ ،ادریس کاندھلوی ۶۸/۱۔۶۹، مودودی ۹۵/۲۔۹۶، ابوالحسن علی ندوی ۹۹۔۱۰۰، جعفر شاہ پھلواروی، ا۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، ۵۵، قاضی سلیمان منصور پوری "رحمۃ للعالمین" نے باب رضاعت میں اس کا ذکر نہیں کیا مگر حضرت حمزہؓ وغیرہ کے حوالے سے کیا ہے۔ البتہ نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالیؒ کا بیان بہت دلچسپ ہے "پھر ثویبہ اسلمیہ جاریہ ابولہب نے جس کو ابولہب نے وقت بشارت ولادت آنحضرت ﷺ کے آزاد کردیا تھا۔ یہ شیر خوارگی چند روز قبل قدوم حلیمہ سعدیہ کے تھی"۔(الشمامة العنبرية، ۱۳)

حدیثی مآخذ کے مطابق ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان اموی اولین سند ہیں جنھوں نے حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ بابرکات کا ذکر کیا ہے۔ ام المومنینؓ تو صرف راویۂ صادقہ ہیں۔ اصلاً یہ بیان زبانِ رسالتمآب ﷺ کا ہے: "أرضعتني ...... ثويبة"۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث مرفوع ومبارک کو کئی مقامات پر اپنے دستورِ روایت کے مطابق نقل کیا ہے۔ اصل حدیث: ۵۱۰۱ ہے۔ اور اس کی اطراف ہیں: ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۱۲۳، ۵۳۷۲۔ جو دو مختلف ابواب میں آئی ہیں۔ امام مسلمؒ نے بھی اسی سندِ ام المومنینؓ سے اپنی احادیث بیان کی ہیں۔ ان دونوں کا حضرت ثویبہؓ پر پورا پورا اتفاق ہے۔(۲)

---

(۱) واقدی بحوالہ ابن سعد ۱۰۸/۱۔۱۱۰، بلاذری ۹۴/۱، طبری ۱۵۷/۲۔۱۵۸، شامی ۳۷۵۔۳۸۰، ابن سید الناس ۲۷/۱۔۲۸، حلبی ۸۴/۱۔۸۸ وغیرہ، متقدمین سیرت میں اور بھی کئی اہم اہل سیر و تاریخ شامل ہیں۔

(۲) بخاری کتاب النکاح، ۲۰۔۔۔۔۔۔ باب ويحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، فتح الباری ۱۷۵/۹۔ نیز مابعد بحث شارحؒ، كتاب النفقات، ۱۶۔ باب المراضع من المواليات وغيرهن فتح الباری ۶۳۹/۹، مسلم، کتاب الرضاع، باب يحرم من الرضاعة مايحرم من الرحم، حدیث (۱۵) (۱۴۴۹)، (۱۶)، نووی، المنہاج ۲۲/۱۰۔۲۳ وغیرہ کتب حدیث، جیسے دوسری کتب حدیث: ابوداؤد، کتاب النکاح، باب مايحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب، حدیث: ۲۰۵۶)

امام بخاریؒ نے اپنے بعض متابعات میں حضرت عروہ بن زبیر اسدی قریشیؒ (۲۲/۶۴۲-۹۳/۷۱۱) کو حضرت ثویبہؓ کی رضاعت میں بطور ایک راوی ذکر کیا ہے۔ ان کی ایک مرسل روایت میں حضرت ثویبہؓ کے بارے میں کچھ تفصیل ہے۔ اس قسم کی تصریح امام مسلمؒ نے نہیں کی ہے اور بعض دوسرے محدثین کرام نے بھی نہیں کی۔ ان میں ان کے قدیم وجدید شارحین بھی شامل ہیں۔ اس طرح حضرت عروہ بن زبیرؒ اولین تابعی اور سیرت وسوانح کے اولین راوی بن جاتے ہیں جو حضرت ثویبہؓ کے بارے میں بعض سوانحی تفصیلات فراہم کرتے ہیں۔ یہ حقیقت بہت اہم ہے کہ بیشتر متاخرین و محققین اور مولفین نے روایتِ حضرت عروہؓ کی پیروی کی ہے۔ اسی طرح یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ متعدد محدثین و محققین اور مورخین نے روایتِ حضرت عروہؓ کو قبول نہیں کیا ہے۔

تاریخی اور سیرتی مآخذ میں حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ نبوی کے باب میں امام طبریؒ (محمد بن جریر، ۲۲۴/۸۳۸-۳۱۰/۹۲۲) کی روایت ایک اور اولین سند کو لاتی ہے جو اسے مرفوع و متصل بناتی ہے۔ اس کی اولین راوی ایک اور صحابیہ حضرت برہ/حبیبہ بنت ابی تجزأةؓ ہیں۔ وہ قریش کے خاندان بنو عبدالدار کی ایک حلیف خاتون تھیں۔ اصلاً وہ قبیلہ کندہ کے خاندان بنو تجزأة کی ایک فرد تھیں۔ یہ خاندان جاہلی دور میں کسی وقت مکہ مکرمہ میں بس گیا تھا اور جاہلی قبائلی روایات کے مطابق اس نے ایک قریشی خاندان۔ بنو عبدالدار۔ کے ساتھ حلف وولاء کا معاہدہ کرلیا تھا۔ جیسے کہ دوسرے بدوی قبائل نے معاہدات کئے تھے۔

(طبری ۲/۱۵۷-۱۵۸)

دوسرے قدیم وجدید اور متقدم و متاخر سیرت نگاروں نے بالعموم ان ہی حدیثی اور سیرتی اولین رُواۃ کرام کی روایات اپنی اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ واقدی، ابن سعد، ابن کثیر جیسے مؤلفینِ سیرت نے سند کا التزام کیا ہے۔ ان کی روایات کی حیثیت اور مقام ومرتبہ کا ان کی بنا پر پتہ چلایا جا سکتا ہے اور دوسری روایات سے ان کا موازنہ کیا جا سکتا

ہے۔ بلاذری جیسے بعض قدیم مؤلفینِ سیرت نے بعض مقامات پر اپنی اسناد کو خلط ملط کر کے اس تجزیاتی مطالعہ کو مشکل بنا دیا ہے(۱)

حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ نبوی کی مدت

حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ نبوی کے باب میں تاریخی اور توقیتی اعتبار سے پہلا سوال یہ ہے کہ والدۂ ماجدہ کے بعد کتنے دنوں تک حضرت ثویبہؓ نے رسول اکرم ﷺ کو دودھ پلایا؟ قدیم وجدید مؤلفین نے بالعموم اس پر بحث نہیں کی ہے۔ قدیم سیرت نگاروں کے ہاں البتہ ایک عمومی تبصرہ یا بیان یہ ملتا ہے کہ تھوڑے دنوں تک حضرت ثویبہؓ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا "ثم أرضعته ثويبة أياما قلائل" (حلبی ۸۸/۱ بحوالہ قدماء، یعقوبی ۹/۲)۔ اس روایت میں واقع فقرہ "أياما قلائل" کا مفہوم ومطلب سیرت نگاروں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق پیش کیا ہے جو واقعہ وحقیقت کے مطابق بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا ہے۔

اردو کے جدید محققینِ سیرت نے اسی عام بیان اور تبصرہ کو قبول کر کے رضاعتِ ثویبہؓ کی مدتِ قلیلہ مقرر کی ہے۔ مولانا شبلیؒ نے والدۂ ماجدہ اور حضرت ثویبہؓ دونوں کی رضاعتِ نبوی کے بارے میں بلاسند بیان دیا ہے: "اور دو تین روز کے بعد ثویبہؓ نے دودھ پلایا"۔ مولانا کاندھلویؒ نے اسے "تین چار روز" بنا دیا ہے۔ یہ متعین مدت رضاعت والدۂ ماجدہ کی ہے، حضرت ثویبہؓ کی رضاعت کی مدت دونوں نے متعین نہیں کی ہے۔ دوسرے جدید اردو مؤلفینِ سیرت نے بھی عام بیانات دیے ہیں۔ البتہ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے لکھا ہے کہ "شرفاء مکہ کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو جب کہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب وہوا کے مقام پر باہر بھیج دیا کرتے تھے" (رحمۃ للعالمین ۴۱/۱) ان کے اس بیان سے حضرت آمنہ اور حضرت ثویبہؓ دونوں کی

---

(۱) بلاذری، یعقوبی وغیرہ متعدد قدیم مؤلفینِ سیرت وتاریخ مختلف ومتعدد راویوں کی روایات کو ملا کر کبھی کبھی بیان کر دیتے ہیں کہ انھوں نے کہا: "قالوا"۔

رضاعت کی کل مدت آٹھ دن از خود متعین ہو جاتی ہے۔(۱)

رضاعت حضرت ثویبہؓ میں اشتراک

متعدد حدیثی روایات میں اور بہت سی سیرتی مرویات میں رضاعتِ ثویبہؓ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بعض دوسرے معاصر نونہالانِ قریش کا اشتراک نظر آتا ہے۔ اور بالعموم رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے یا آپ ﷺ کی رضاعتِ ثویبہؓ کے ضمن میں آتا ہے۔ حدیثی روایات میں مشترکہ رضاعت ثویبہؓ کی دو طرح کی صورتیں ملتی ہیں جب کہ اخبارِ سیرت میں بالعموم ایک ہی سانس میں تین تین رضاعتوں کا اور کسی غیر معروف روایت میں چار چار رضاعتوں کا ذکر بیک وقت کیا جاتا ہے۔ حدیث وسیرت کی بعض انفرادی روایات بھی ہیں جو حضرت ثویبہؓ کے رضاعی فرزندوں میں بعض نئے نونہالوں کو شامل کرتی ہیں۔

صحیحین بالخصوص بخاری کی مذکورہ بالا پانچ احادیث میں صراحت کے ساتھ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومیؓ کی رضاعت کا ذکر رضاعتِ نبوی کے ساتھ آتا ہے کہ مجھے اور ابوسلمہ کو ثویبہؓ نے دودھ پلایا: "أرضعتني وأباسلمة ثويبة" یا "ابنة ام سلمة" کے حوالے سے آتا ہے کہ مجھے اور اس کے باپ کو ثویبہؓ نے دودھ پلایا: "أرضعتني وأباها ثويبة" مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کی احادیث میں بھی اسی طرح حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ کے رضاعتِ ثویبہؓ میں اشتراک اور اس کی بنا پر رسول اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی ہونے کے شرف کا ذکرِ خیر زبانِ رسالتمآب ﷺ سے براہ راست آتا ہے۔(۲)

بعض مرویات حدیث انفرادی طور سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی عم نبوی کو

---

(۱) مودودی ۲/۹۵۔ "رسول اللہ ﷺ نے ابتداءً چند روز تک ابولہب کی لونڈی ثویبہؓ کا دودھ پیا"۔ ابوالحسن علی ندوی، ۱۰۰: "أرضعته ثويبة جارية عمه أبي لهب بضعة أيام"۔ جعفر شاہ پھلواروی ۱: "اور کچھ دنوں ابولہب کی لونڈی ثویبہؓ نے رضاعت کا فرض انجام دیا"۔ نیز صدیق حسن خان قنوجی، ۱۳: "یہ شیر خوارگی چند روز....."

(۲) حدیث: ۵۱۰۱، ۵۱۰۷، ۵۳۷۲: "أرضعتني وأبا سلمة ثويبة"۔ حدیث: ۵۱۰۶، ۵۱۲۳: "أرضعتني وأباها ثويبة"۔

رسول اکرم ﷺ کا رضاعی بھائی بتاتی ہیں اور اس رشتہ کا ذکر بھی حضرت حمزہؓ کی ایک دختر سے نکاحِ نبوی کی تجویز کے ضمن میں آتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ نے اور بعض کے مطابق بصیغہ مجہول رسول اکرم ﷺ کے سامنے تجویز رکھی گئی کہ آپ ﷺ دخترِ حمزہؓ سے شادی کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے: "إنها ابنة أخي من الرضاعة" بخاری ومسلم وغیرہ کی ان روایات میں دونوں چچا بھتیجے کی رضاعی ماں کا نام مذکور نہیں ہے۔ شارحین نے حضرت ثویبہؓ کا نام لیا ہے(۱)

دوسری طرف روایاتِ سیرت وانساب وتاریخ ہیں جو تین تین نونہالان قریش کا نام بیک وقت لیتی ہیں۔ یہ تین فرزندانِ قریش ہیں: رسول اکرم ﷺ، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومیؓ۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مثلاً ماہرِ نسبِ قریش مصعب زبیری (بن عبداللہ، م ۲۳۶/۸۵۱) کی سند پر اس روایت کو حدیث بخاری: ۵۱۰۰ کی شرح میں نقل کیا ہے۔ مسلم وغیرہ کے شارحینِ کرام امام نوویؒ وغیرہ نے اسی طرح مرویاتِ سیرت کا سہارا لیا ہے اور ان کی بنیاد ہی پر حدیث کے ابہام کو واضح کیا ہے۔ شارحین ومحدثین کے اس طریقہ کی ایک اہمیت بھی ہے۔(۲)

بیشتر روایاتِ سیرت وتاریخ زمانی توقیت اور تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ حضرت ثویبہؓ نے رسول اکرم ﷺ کو دودھ پلایا۔ اور آپ ﷺ سے پہلے حضرت حمزہؓ کو اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوسلمہ کو دودھ پلایا تھا" وكانت ثويبة،

---

(۱) بخاری، حدیث: ۵۱۰۰؛ فتح الباری ۹/۱۷۵، ۱۷۸: "كانت ثويبة. يعني الآتي ذكرها في الحديث الذي بعده. أرضعت النبي ﷺ بعد ما أرضعت حمزة"؛ حضرت حمزہؓ کی دختر نیک اختر کے نام نامی کے بارے میں سات اقوال ملتے ہیں: امامہ، عمارہ، سلمٰی، عائشہ، فاطمہ، امۃ اللہ، یعلیٰ۔ ان میں سے اول الذکر امامہ زیادہ مشہور ہے۔ ام الفضل ان کی کنیت تھی بقول ابن بشکوال۔

(۲) بحث کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "محدثینِ کرام کی توقیتِ غزوات کا ایک تجزیہ" تحقیقات اسلامی، علی گڈھ، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۷ء۔

مولاة أبي لهب بن عبدالمطلب، أرضعت النبی ﷺ أياما، قبل أن تأخذه حليمة، من لبن ابن لها، يقال له مسروح، وأرضعت قبله حمزة بن عبدالمطلب، وأرضعت بعده أباسلمة بن عبدالاسد المخزومی"

زمانی وتاریخی ترتیب کے اعتبار سے حضرت حمزہؓ کا ذکر پہلے آنا چاہیے مگر راویانِ سیرت کو مقام ومرتبۂ نبوی کا صحیح احساس تھا کہ ذکرِ رضاعت کا آغاز ذاتِ رسالتمآب ﷺ سے کرتے ہیں اور پھر "قبل" کہہ کر حضرت حمزہؓ کی رضاعتِ ثویبہؓ کی اولیت کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔ بعض بعض نے صحیح تاریخی توقیت کو ملحوظ بھی رکھا ہے اور ترتیب سے تینوں رضاعی برادروں کا ذکر کیا ہے۔ بیشتر قدیم وجدید سیرت نگاروں نے ان ہی تینوں کا ذکر کیا ہے۔(۱)

حضرت حمزہؓ کی ایک اور رضاعت عارضی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ امام ابن قیمؒ وغیرہ کی پیروی میں بعض جدید سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے عم مکرم کے رضاعی رشتہ کو دو رضاعی ماؤں۔ حضرت ثویبہؓ اور حضرت حلیمہ سعدیہ نے قائم کیا تھا "اس طرح حمزہؓ دو جہتوں سے آپ کے دودھ میں شریک ہوئے: ایک ثویبہ اور دوسری بنوسعد کی خاتون کی جہت سے"۔(۲)

مورخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب م بعد ۳۱۵/ ۹۲۷) ان نادر مؤلفین سیرت میں ہیں جنھوں نے ایک ساتھ چار نونہالانِ قریش کا نام لیا ہے۔ مذکورہ تینوں فرزندان رضاعی کے علاوہ حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمیؓ کو بھی حضرت ثویبہؓ کا رضاعی

---

(۱) (ابن سعد ۱/ ۱۰۸۔۱۱۰؛ بلاذری ۱/ ۹۴؛ طبری ۲/ ۱۵۷۔۱۵۸؛ ابن قیم، زاد المعاد، ۱/ ۱۹؛ اردو ترجمہ ۱/ ۵۹ ابن سید الناس ۱/ ۴۷۔۴۸؛ حلبی ۱/ ۸۵۔۸۸؛ ابن کثیر ۲/ ۲۷۳ صحیحین کی روایت اور قول عروہ کا اضافہ بخاری؛ سلیمان منصور پوری ۲/ ۸۳، نے صرف حضرت ثویبہؓ کی رضاعت حمزہؓ میں اشتراک کا ذکر کیا ہے۔ نیز ۲/ ۱۶۴ تینوں کی رضاعی برادری۔

(۲) ابن قیم، زاد المعاد، اردو ترجمہ بعنوان توشۂ آخرت: ۱/ ۵۹؛ صفی الرحمن مبارکپوری ۵۵) تھے امام اور ان کے سلفی محقق نے حضرت حمزہؓ کی بنوسعد میں رضاعت کو مستقل بتایا ہے: "...... چچا حمزہؓ خاندان بنوسعد بن بکر میں رسول اللہ ﷺ جب حلیمہ سعدیہ کے یہاں تھے تو ایک دن حمزہؓ کی ماں نے آپ کو دودھ پلایا" اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دو دو سعدی رضاعی ماؤں نے الگ الگ حضرت حمزہؓ اور رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کی تھی۔ حضرت حلیمہ حضرت حمزہ کی رضاعی ماں نہیں تھیں۔

فرزند قرار دیا ہے۔ اور اپنے خاص نظریہ سے پہلے تینوں ہاشمی فرزندوں کا نام لیا ہے اور سب کے آخر میں حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ کا:

”فكان أول لبن شربه بعد أمه لبن ثويبة مولاة أبي لهب، وقد أرضعت ثويبة هذه حمزة بن عبدالمطلب، وجعفر بن أبي طالب وأبا سلمة بن عبدالاسد المخزومي“(۱)

حضرت ثویبہؓ کے مزید دو رضائی فرزندوں کا ذکر بعض دوسرے مؤلفین سیرت یا شارحین کی تشریحات میں ملتا ہے۔ ابن ہشام کے شارح اور بذات خود ایک عظیم سیرت نگار امام سہیلیؒ (عبدالرحمٰن بن عبداللہ، ۵۰۸/۱۱۱۴ـ ۵۸۱/۱۱۸۵) نے اپنی ایک روایت میں رضاعت ثلاثہ کا ذکر کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ اور حضرت حمزہؓ کے ساتھ عبداللہ بن جحش اسدی خزیمیؓ کا نام لیا ہے:

”وأرضعته۔ عليه السلام۔ ثويبة قبل حليمة، وأرضعته وعمه حمزة، وعبدالله بن جحش“(۲/۱۶۳ـ۱۶۴)

متاخرین میں مولانا مودودیؒ نے بعض نئے مآخذ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی رضاعتِ ثویبہؓ کا ذکر کیا ہے: ”ابن سعد اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبداللہ بن جحش (ام المومنین حضرت زینب کے بھائی) نے بھی اسی (ثویبہؓ) کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے یہ حضرات حضور ﷺ کے رضاعی بھائی تھے“ مولانا محترم نے دونوں مآخذ کے متعین حوالے نہیں دیئے اور نہ ان کی سیرت کے مرتبین کرام نے۔ سیرتِ ابن ہشام کے مرتبین کرام نے بھی طبری، الروض الانف، الاستیعاب اور شرح المواہب کے عمومی حوالے دیئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ابن ہشام کا بیان نہیں ہے بلکہ شارح ابن ہشام امام سہیلی کا ہے۔(۲)

---

(۱) تاریخ یعقوبی ۲/۹؛ تاریخ وفات اور سوانح یعقوبی پر خاکسار کا مقالہ ملاحظہ ہو ”تاریخ یعقوبی۔ سیرت نبوی کا ایک اہم قدیم ماخذ“ نقوش لاہور، رسول نمبر ا دسمبر ۱۹۸۲ء، ۵۶۳ـ۵۹۲۔

(۲) سیرت سرور عالم ۲/۹۵ـ۹۶؛ ابن ہشام ۱/۱۶۱، مرتبین کا حاشیہ۔ ۲؛ قاضی سلیمان منصور پوری ۲/۷۳

زمانی جہت

حضرت ثویبہؓ کی رضاعت فرزندانِ قریش کی ایک اہم جہت کا تعلق ان کی خدمت کے طویل عرصے سے ہے۔ انھوں نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کی رضاعت سے اپنی خدمت کا آغاز کیا تھا جیسا کہ روایات میں بتایا گیا ہے۔ ان سے قبل کسی ہاشمی یا قریشی کی رضاعتِ ثویبہ کا ذکر نہیں ملتا ہے، اگرچہ اس کے امکان کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس اولین رضاعتِ ثویبہ کا زمانہ بہ اختلاف روایات رضاعت نبوی سے چار سال قبل یا دو سال قبل بتایا گیا ہے۔ وہ شمسی تقویم رائج الوقت کے مطابق ۵۶۷ء یا ۵۶۹ء کا زمانہ ٹھہرتا ہے۔

حضرت حمزہؓ کی رضاعت نبوی سے اتصال واشتراک نے ایک الجھن بھی پیدا کردی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر قرطبی (یوسف بن عبداللہ، م۴۶۳/۱۲۶۰) جیسے قدماء نے اور امام حلبیؒ جیسے متاخرین نے اسے اور الجھایا ہے اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ ایک روایت حمزہؓ کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے حضرت ثویبہؓ کے دودھ میں شریک ہونے کو بتاتی ہے۔ ان امامان سیرت نے زمانی تقویم پر بحث طویل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چچا اور بھتیجے نے اگر دو زمانوں میں دودھ پیا تھا تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن اگر حضرت حمزہؓ کے ساتھ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ثویبہؓ کے فرزند حضرت مسروحؓ کے ساتھ دودھ میں شرکت کی تھی تو کئی مسائل پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ فرزند حضرت ثویبہؓ کے ساتھ رضاعت میں دونوں چچا بھتیجے کا زمانی اشتراک چار سال قبل کی رضاعت قبول کرنے کی صورت میں ممکن نہیں کیونکہ حضرت مسروحؓ کے لئے جو دودھ اترا تھا وہ چار سال تک جاری نہیں رہ سکتا لہذا دو سال والی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ شروع زمانے میں حضرت حمزہؓ نے حضرت مسروحؓ کے ساتھ شرکت کی اور اخیر زمانے میں رسول اکرم ﷺ نے۔ لہذا دونوں کا زمانی اشتراک رضاعت بھی ہو گیا۔

ان امامان سیرت نے ترجیح روایات اور تطبیق زمانہ کے چکر میں مختلف زمانوں کی روایات نظرانداز کردیں۔ ان سے زیادہ یہ حقیقت بھلادی کہ حضرت ثویبہؓ نے بعض دوسرے نونہالان قریش کو ان دونوں کے بعد بھی دودھ پلایا تھا۔

سب سے اہم معاملہ ایک ماں کی رضاعت میں۔ خواہ وہ مختلف زمانوں کی ہوں یا ایک ہی زمانے کی۔ کئی بچوں کا اشتراک ہی ان کو ایک دوسرے کا رضاعی رشتہ دار بنادیتا ہے اور رضاعت سے نسب کی طرح حرمت پیدا کردیتا ہے، نظرانداز ہوگیا۔

مختلف روایات اور متعدد واقعات کا صحیح تجزیہ نہیں کیا گیا جس کی بنا پر یہ لاطائل بحث پیدا ہوگئی۔

امامانِ سیرت کی اس ترجیحی و تطبیقی بحث سے بہرحال یہ اصول ہاتھ آتا ہے کہ روایات متعلقہ کی تنقیح وتنقید ضروری ہے۔(۱)

۲۔ دوسری زمانی جہت یا تاریخی تقویم یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ کے بعد ہی، خواہ وہ چار قبل رہی ہو یا دو سال قبل رسول اکرم ﷺ کی رضاعت ثویبہؓ کا زمانہ آتا ہے جیسا کہ متعدد روایات حدیث و سیرت نے ''قبلہ'' کہہ کر صراحت کردی ہے۔ حضرت ثویبہؓ کی رضاعت نبوی کا زمانہ اپریل ۵۷۱ء کا اواخر ٹھہرتا ہے یا اس کے اگلے ماہ کے آغاز کا۔(۲)

۳۔ تاریخی ترتیب و توقیت کے لحاظ سے ایک انفرادی روایت کے مطابق حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمیؓ کی رضاعت ثویبہؓ کی باری آتی ہے۔ اس خاص روایت کے مطابق حضرت ابوسفیان ہاشمیؓ رسول اکرم ﷺ سے کچھ پہلے رضاعتِ ثویبہؓ میں آچکے تھے۔ دونوں عم زاد ہم عمر تھے لہذا یہ قوی امکان ہے کہ دونوں نے ایک

---

(۱) ابن سید الناس ۱/۴۷، ۴۸؛ حلبی ۱/۸۴ و مابعد وغیرہ میں دو سال اور چار سال سن کے زیادہ ہونے سے بحث کی گئی ہے۔

(۲) اسد الغابہ ۲/۴۶-۴۷؛ اصابہ نمبر ۱۸۲۶ وغیرہ کے مطابق حضرت حمزہؓ کی عمر صرف دو سال زیادہ تھی، غزوہ احد میں وفات ہوئی تو عمر ۵۷ سال تھی۔ یعنی ۶۲۵ء میں۔ لہذا حضرت حمزہؓ کی رضاعت کا زمانہ اس روایت کے مطابق ۵۶۸ء تھا۔

ہی زمانے میں حضرت ثویبہؓ سے دودھ پیا تھا یعنی اپریل۔مئی ۵۷۱ء میں۔(۱)

۴۔ ایک اور تاریخی انفرادی روایت کے مطابق چوتھی رضاعت ثویبہؓ حضرت عبداللہ بن جحش اسدی خزیمیؓ کی تھی۔ وہ ایک بدوی قبیلہ بنو اسد/خزیمہ کے فرد تھے۔ ان کے والد ماجد جحش بن رئاب اسدی خزیمی نے مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی تو بنو امیہ کے حلیف بن گئے اور بنو ہاشم سے مصاہرت وزواج کا رشتہ قائم کیا۔ حضرت ثویبہؓ سے ان کی رضاعت کا زمانہ کافی بعد کا ہے۔(۲)

۵۔ پانچویں رضاعت حضرت ثویبہؓ بلاشبہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومیؓ کی ثابت ہوتی ہے جن روایات میں تین رضاعتوں کا ذکر ملتا ہے ان میں پوری صراحت ملتی ہے کہ حضرت ثویبہؓ نے رسول اکرم ﷺ کے بعد ہی ان کو دودھ پلایا تھا۔ تاریخ وسیرت میں بالعموم اس زمانے کی تعیین نہیں ملتی اور نہ ہی حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ کی عمر کا حوالہ آتا ہے ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہؓ کی عمر کے بارے میں البتہ روایات بتاتی ہیں کہ اسلام لانے کے وقت وہ بیس کے پیٹے (حدود العشرین) میں تھیں اور ۶۱ھ وفات کے وقت ۸۴ سال کی تھیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ سے عمر میں کافی چھوٹے تھے۔ صعیدی نے اسلام لانے کے وقت ان کی عمر کو تیس کی حدود میں بتایا ہے۔ ''أسلم أبوسلمة في حدود الثلاثين من عمره وكان أخا

---

(۱) اسد الغابہ ۴/۴۰۶: برادر ابوسفیان، ۵/۲۱۳-۲۱۵؛ اصابہ نمبر ۸۱۷۸ (مغیرہ اور ابوسفیان دونوں میں ذکر، موخر الذکر میں مفصل: ۵۳۸ باب الکنی، ۴/۹۰-۹۱۔

(۲) اسد الغابہ ۳/۱۳۱؛ اصابہ نمبر ۴۵۸۳: شہید غزوۂ احد ۳/۶۲۵: ماموں اور رضاعی بھائی حضرت حمزہ ہاشمیؓ کے ساتھ ایک قبر میں مدفون ہوئے۔ سہیلی ۶/۴۵-۴۶ کے مطابق وہ غزوۂ احد میں اپنی شہادت کے وقت پینتالیس سال کے تھے: ''كان عبدالله بن جحش حين قتل ابن بضع وأربعين سنة...... '' ان تصریحات سے ان کی رضاعتِ ثویبہ کا سنہ ۵۸۰ء مقرر ہوتا ہے یعنی رضاعت نبوی کے دس سال بعد۔ نیز ملاحظہ ہو: عبدالمتعال الصعیدی، شباب قريش في العهد السرى للاسلام، قاہرہ ۱۹۴۷ء، ۱۲۷: جس کے مطابق وہ اسلام لائے تو ان کی عمر پچیس سال کی تھی ''أسلم عبدالله بن جحش وهو ابن خمس وعشرين سنة تقريباً'' اور وفات کے وقت: ''وهو ابن نيف واربعين سنة'' (۱۳۰)۔۔۔

النبی ﷺ من الرضاع، وأخا عمه حمزة بن عبدالمطلب من الرضاع ایضا، أرضعت الثلاثة ثویبة وأبو سلمه آخرهم رضاعاً"(۱)

۶۔ چھٹی اور اب تک کی معلوم رضاعت حضرت ثویبہؓ حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمیؓ کی ثابت ہوتی ہے۔ ان کا زمانہ رضاعت قطعی طور سے متعین کیا جا سکتا ہے کیونکہ سیرتی اور تاریخی مآخذ میں حضرت جعفر ہاشمیؓ کی عمر کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے مطابق وہ رسول اکرم ﷺ سے تقریباً بیس سال چھوٹے تھے اور غزوۂ موتہ کے دوران ۸/ ۶۳۰ میں ان کی شہادت کے وقت ان کی عمر چالیس سال سے اوپر تھی۔ لہذا ان کی رضاعت حضرت ثویبہؓ کا زمانہ ۵۹۱ء کے قریب متعین کرنا صحیح ہوگا۔ (۲)

ان تمام معلوم و مذکور رضاعات حضرت ثویبہؓ سے زمانی جہت اور تاریخی مدت مقرر کی جا سکتی ہے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کی اولین رضاعت ۵۶۷ء کے سال سے حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمیؓ کی آخری رضاعت کے سن ۵۹۱ء تک قریب قریب پچیس سال کا زمانہ رضاعت بنتا ہے جو ایک چوتھائی صدی کے طویل عرصے کو محیط ہے۔ یہ خاصا لمبا عرصہ ہے اور اس دوران حضرت ثویبہؓ کے پورے ایام رضاعت کا بھی احاطہ ہو جاتا ہے۔ وہ بلاشبہ فطری زمانہ بھی ہے۔ بالعموم خواتین کی عام عمر رضاعت وولادت بیس پچیس سال ضرور رہتی ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ثویبہؓ نے اپنے ہر زمانہ ولادت و رضاعت میں کسی نہ کسی قریشی بچے کی بھی رضاعت کی

---

(۱) اسد الغابہ ۳/ ؛ نیز ۵/ ۲۱۸ بالترتیب عبداللہ اور ابوسلمہ میں ؛ اصابہ نمبر ۴۷۸۳: رضاعی برادر نبوی و حضرت حمزہ بسبب رضاعت حضرت ثویبہؓ کنیت غالب تھی ؛ وفات بعد غزوہ احد: شوال ۴ھ کی تاریخ زیادہ معتبر ؛ عبدالمتعال الصعیدی، ۱۶۴؛ ابن سعد ۸/ ۹۶ بعمر ۸۴ ۵۹ھ، لہذا ان کی رضاعت ثویبہ کا زمانہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کے دس گیارہ سال کا مقرر ہوتا ہے، یعنی ۵۸۰۔۵۸۱ء یا اس کے قریب کا۔

(۲) اسد الغابہ ۱/ ۲۸۶؛ اصابہ نمبر ۱۱۶۶؛ شہید موتہ ۸/ ۶۳۰ بعمر ۳۳ یا چالیس سال بروایت اصابہ: "فاستوفی أربعین سنة وزاد علیها علی الصحیح"۔ عبدالمتعال الصعیدی، ۹۴۔ اسلام لانے کے وقت اٹھارہ سال تھے: "أسلم جعفر وهو ابن ثمانی عشرة سنة" اور وفات کے وقت تینتیس سال کے تھے" وکان سنه عند موته ثلاثا وثلاثین سنة"(۹۷)......

تھی اور تا عمر یہ خدمت رضاعت انجام دی تھی۔

امام حلبیؒ نے سیرت شامی (محمد بن یوسف صالحی دمشقی، م۹۴۲/۱۵۳۵) کا ایک بیان نقل کیا ہے جس کے مطابق حضرت ثویبہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے پہلے آپ ﷺ کے ایک چچازاد بھائی حارث بن عبدالمطلب ہاشمی کے ایک فرزند ابوسفیان کو بھی دودھ پلایا تھا۔ وہ آپ ﷺ کے ہم عمر بھی تھے اور آپ ﷺ کے مشابہ بھی تھے: ''وفی السیرة الشامية وقد كانت أرضعت قبله أباسفيان ابن عمه ﷺ الحارث، وفي كلام بعضهم كان تِربالِه، وكان يشبه'' ان کا اصل نام مغیرہ تھا لیکن وہ اپنی کنیت ابوسفیان سے زیادہ مشہور تھے اور وہ جاں نثار نبوی بھی تھے۔ (۱)

البتہ بلاذری اور بعض دوسرے سیرت نگاروں نے حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کو رسول اکرم ﷺ کا ایک رضاعی بھائی تو مانا ہے مگر حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی اتفاقی رضاعت کے رشتہ و عارضی تعلق سے، یہ اہم بات ہے کہ بلاذری میں یہ روایت مجروح انداز سے بیان کی گئی ہے۔ البتہ بعض دوسروں نے اسے صحیح روایت بھی مانا ہے۔ جیسے ابن اثیرؒ نے اپنے سوانحی خاکے میں لکھا ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے ایک رضاعی بھائی تھے اور ان دونوں کو حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ نے دودھ پلایا تھا: ''وكان أخا النبي ﷺ من الرضاعة، أرضعتها حليمة بنت أبي ذويب السعدية'' یہی امام سہیلی نے لکھا ہے: ''وكان أبوسفيان رضيع رسول الله ﷺ أرضعتها حليمة'' ۹۲/۷۔ گویا یہ مستقل رضاعت تھی۔ مگر بلاذری کی روایت کے الفاظ ہیں ''ويقال أن أباسفيان كان أخا النبي ﷺ من الرضاع، أرضعته حليمة أياماً'' اور یہی ابن سعد کی روایت

---

(۱) حلبی ۸۵/۱، نیز ۵۳۹/۱؛ بلاذری ۸۷/۱۔۸۰ برائے نسب و سوانح حارث بن عبدالمطلب ہاشمی،: نیز رضاعت حضرت ثویبہؓ کے لئے فتح الباری ۱۷۵/۹، ۱۷۸؛ بحث بر رضاعت حضرت حمزہؓ؛ نیز خاندان حارث ہاشمی پر بحث کے لئے: سلیمان منصورپوری ۷۲/۲۔۷۳ و مابعد؛ عبدالمطلب ہاشمی ۴۳۔۴۴ و مابعد۔

ہے کہ حضرت حلیمہ نے چند روزہ رضاعت کی تھی: "کان أخا رسول اللّٰہ من الرضاعۃ، أرضعتہ حلیمۃ أیاماً "۔(۱)

رضاعتِ ثویبہ کا تسلسل

حضرت ثویبہؓ غالباً تاریخِ اسلامی کی واحد شخصیت اور اکلوتی ماں ہیں، جنھوں نے ایسی نادر رضاعت کی تھی۔ ان جیسا کم از کم جاہلی عرب کی روایات میں تو کوئی اور نظر نہیں آتا۔ اسلامی تاریخ اور سیرتِ نبوی کے اوراق میں بھی وہ بے مثال ہیں۔ شہرت، مقبولیت اور محبوبیت میں بھی وہ فرد فرید ہیں، اگرچہ بعد میں اس کا تاج حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے سر مبارک پر رکھ دیا گیا، لیکن اپنی رضاعی خدمات کے اعتبار سے حضرت ثویبہؓ کو تمام معاصر رضاعی ماؤں اور عرب مرضعات پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ ان کی رضاعی خدمات کی کئی جہات ہیں اور ان کے بہت سے ثمرات بھی ہیں جو تہذیبی و معاشرتی کے علاوہ دینی اور اسلامی بھی ہیں۔

مکانی جہت

شرفاءِ مکہ اور اشرافِ قریش کا ایک سماجی دستور یہ بتایا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر ایک حوالہ گزرا، کہ وہ اپنے نومولود بچوں کو رضاعت و پرورش کے دوگانہ کام کے لئے دیہاتوں، بدوی علاقوں اور صحت گاہوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اچھی اور صاف

---

(۱) ۴......۴۹-۵۰؛ بلاذری ۱/۳۶۱؛ اسد الغابہ ۵/۲۱۳؛ زاد المعاد ۱/۱۹؛ اردو ترجمہ ۱/۵۹:) "حلیمہ سعدیہ نے آپ کے ساتھ آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب کو بھی دودھ پلایا"۔ امام ابن قیمؒ کا بیان حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی صراحت کے خلاف ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے اس میں واضح ذکر ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمیؓ کو بھی حضرت ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔ لیکن قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے ان کی رضاعت حلیمہ سعدیہ میں شرکت تسلیم کی ہے: "یہ آنحضرت ﷺ کے برادر رضاعی بھی ہیں کیونکہ انھوں نے بھی حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا ۲/۸۲-۷۳۔ ان تمام اختلافات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مرضعات۔ ثویبہ اور حلیمہ۔ نے ان کی رضاعت کی تھی مگر حضرت ثویبہ کی رضاعت مستقل تھی اور حضرت حلیمہ کی عارضی۔ کیونکہ ابن سعد، بلاذری جیسے متقدمین اور شامی و حلبی جیسے متاخرین نے اسی کی صراحت کی ہے۔

آب و ہوا کے سبب ان کی صحت بہتر ہوتی تھی، اور بدوی زبانِ عربی فصاحت و بلاغت میں شہری سے بہتر ہوتی تھی۔ بلاشبہ یہ ایک مکانی جہت ہے جس کی تائید و توثیق روایاتِ سیرت کے علاوہ صحیح اخبار اور ان سے زیادہ احادیث سے ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی جسمانی صحت و طاقت سے زیادہ زبانِ نبوی کی فصاحت و بلاغت کا شرف اسی بدوی پرورش کو دیا جاتا ہے۔(۱)

قدیم و جدید بیانات اور روایات بلاشبہ بدوی علاقوں اور دیہاتی قبیلوں میں نومولودوں کی رضاعت کو ثابت کرتے ہیں مگر وہ ایک جہت ہی ہے۔ اسی قدر بیانات اور روایات اور ان سے زیادہ شواہد اور دلائل شہری رضاعت کو بتاتے ہیں۔ جاہلی عرب

---

(۱) ابن ہشام ۱/۱۶۷: ''قال ابن اسحاق: وكان رسول الله ﷺ يقول لأصحابه: أنا أعربكم، أنا قرشي، واسترضعت في بني سعد بن بكر'' سہیلی ۲/۱۶۷-۱۶۸: ''لم كانت قريش تدفع أولادها إلى المراضع؟'' کی حسین سرخی کے تحت اس کے اسباب گنائے ہیں:

(۱) بیویاں شوہروں کے لئے فارغ ہو جائیں۔ سند میں حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کی رسول اکرم ﷺ سے شادی کی رات میں ان کی کمسن بچی حضرت زینت بنت ابی سلمہ مخزومیؓ کے حضرت عمار بن یاسرؓ کے ہٹا لینے کا واقعہ نقل کیا ہے جو حدیث میں ملتا ہے۔ یہ دلچسپ اور اہم حقیقت یہاں قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عمار بن یاسر حضرت ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ ان دونوں کی رضاعیت، مرضعہ اور ان کے زمانے کے بارے میں تفصیلات ابھی تک تحقیق طلب ہیں۔ ابن سعد ۸/۹۰ میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر حضرت ام سلمہ مخزومیؓ کے ماں جائے بھائی تھے ''وكان أخاها لأمها'' حضرت ام سلمہ کی والدہ کا نام تھا: عاتکہ بنت عامر کنانی اور والد کا ابوامیہ سہیلی مخزومی۔

(۲) جسمانی صحت و قوت اور لسانی فصاحت و بلاغت بچے کو حاصل ہو: ''لينشأ الطفل في الأعراب، فيكون أفصح للسانه، وأجلد لجسمه، وأجدر أن لا يفارق الهيئة المعدية'' نیز قول حضرت عمرؓ بروایت ابن ابی حدردؓ۔

(۳) بنو سعد بن بکر میں رضاعت و پرورشِ نبوی کا واقعہ اور فصاحت و بلاغت کا ذکرِ نبوی اور ولید بن عبد الملک اموی کی محرومی کا واقعہ۔ شبلی ۱/۱۷۲-۱۷۳ نیز حاشیہ ۲ نے امام سہیلی کی تمام تنقیحات قبول کر لی ہیں اور بلا نقد و تبصرہ قبول کی ہیں۔ کاندھلوی ۱/۶۹-۷۰ مع حواشی نے سہیلی اور شبلی سے پورا مواد نقل کر دیا ہے صرف بعض مآخذ کا اضافہ کر دیا ہے۔ مودودی ۲/۹۶-۹۸ بروایت ابن ہشام و ابن اسحاق، ابن سعد۔ خاکسار کا مقال ''عہدِ نبوی میں رضاعت'' ان تمام قدیم و جدید روایات و بیانات پر نقد و تبصرہ کی ضرورت ہے۔

میں بھی اور اسلامی دور میں بھی بہت سے اشرافِ مکہ و مدینہ نے اپنے بچوں اور بچیوں کی رضاعت شہروں میں کرائی تھی۔ ایسی شہری رضاعی ماؤں اور مرضعات میں بدوی قبائل کی خواتین بھی ملتی ہیں اور شہری خاندانوں کی شریف زادیاں بھی۔ ''عہدِ نبوی میں رضاعت'' کے ضمن میں بہت سے واقعات اس قسم کے ملتے ہیں اور خود حضرت ثویبہؓ کی رضاعت کا واقعہ یہی جہت رکھتا ہے (ملاحظہ ہو مقالہ خاکسار مذکورہ سابق)

حضرت ثویبہ مکہ مکرمہ کی باسی تھیں۔ غالبًا ان کا تعلق کسی بدوی قبیلے سے تھا جس پر بحث آگے آتی ہے۔ لیکن وہ متعدد رضاعتوں کے طویل عرصے میں صرف مکہ مکرمہ میں ہی سکونت پذیر رہی تھیں۔ کوئی روایت ان کی بادیہ گردی کو نہیں بتاتی۔ اپنے تمام فرزندانِ رضاعی کی رضاعت انھوں نے شہر مکہ میں ہی کی تھی اور انھیں اشرافِ مکہ نے ان سے رضاعت کرائی تھی جن کے بارے میں دستور بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بادیہ میں ضرور بھیج دیا کرتے تھے۔ شہروں میں رضاعت کا بھی دستورِ عرب تھا اور خوب تھا۔ اصل مقصد رضاعت کے فوائد۔ صحت، فصاحت اور عربیت۔ حاصل کرنا تھا۔ وہ شہری رضاعت میں بھی حاصل ہو سکتے تھے اور ہوتے تھے۔ (۱)

اولادِ حضرت ثویبہؓ کی جہت

روایاتِ سیرت و حدیث کا قصور ہے کہ وہ حضرت ثویبہؓ کے خاندان، نسب اور اولاد کا ذکر خام کرتی ہیں۔ ان کی صرف ایک اولاد۔ فرزند حضرت مسروحؓ۔ کا پختہ حوالہ تو ضرور آتا ہے مگر دوسری اولاد اور ان سے زیادہ ان کے والد کا ذکر بالکل نہیں آتا۔ حضرت مسروحؓ کے والد کون تھے اور حضرت ثویبہؓ کے شوہر کی پہچان، شناخت اور شخصیت کیا اور

(۱) سہیلیؒ اور ان کے زیر اثر شبلیؒ وغیرہ کی شہری تربیت و رضاعت پر تنقید اور خلیفہ ولید اموی کے شہری پروردہ ہونے کے سبب لحن زدہ ہونے کا واقعہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت ولید فصیح البیان تھے، صرف ایک واقعہ اور روایت سے نتیجہ نکالنا تعمیم سے زیادہ روایت پرستی ہے؛ ادریس کاندھلوی ۱/ ۹۹۔ ۱۰۰ مع حواشی بحوالہ ابن اثیرؒ اور روض الانف ۱/ ۱۰۹؛ مودودی ۲/ ۹۸۔

کیسی تھی؟ ان تمام سوالات کے جوابات تاریخ و سیرت کے دھندلکوں میں پوشیدہ ہیں۔ بظاہر ان کے اجالے میں آنے کا کوئی امکان نہیں نظر آتا یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ثویبہؓ کی دوسری اولادیں بھی تھیں، اور ان کی تعداد ایک سے کہیں زیادہ تھی۔

اس کی سب سے بڑی شہادت حضرت ثویبہؓ کے رضاعی فرزندوں کی مختلف رضاعتوں کی حقیقتِ فطری ہے۔ بدیہی حقیقت ہے کہ ان چھ رضاعی فرزندوں کی رضاعت مختلف زمانوں میں اور کافی بڑے چھوٹے وقفوں کے بعد مسلسل ہوتی رہی تھی۔ ان میں سے ہر ایک رضاعی فرزند کے ساتھ ایک اصلی فرزند/اولاد حضرت ثویبہؓ کا ہونا لازمی ہے، جس کے لئے اترے دودھ میں شرکت ہوتی۔ حضرت مسروحؓ جس طرح رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ شریکِ رضاعت رہے تھے اسی طرح حضرت حمزہ ہاشمی، ابوسفیان ہاشمی، عبداللہ بن جحش اسدی خزیمی، ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی اور جعفر بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہم کے ساتھ لازمی طور سے دوسری اولادِ حضرت ثویبہؓ شریک رہی تھیں۔ ان کا ذکرِ صریح یا اشارۂ مضمر روایات میں نہیں ملتا تو راویوں کا قصور ہے جو ان کے قصورِ اطلاع اور عدمِ آگہی یا غفلت و کوتاہی پر مبنی تھا، مگر قانونِ فطرت اتنی ہی اولاد حضرت ثویبہؓ کی حقیقت ثابت کرتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل صحیح ہے کہ ۵۶۷ء سے ۵۹۱ء کے زمانے تک حضرت ثویبہؓ کے ہاں مختلف اولادیں ہوتی رہی تھیں۔ اس ضمن میں یہ اشارہ کرنا یہاں ضروری ہے کہ فتحِ مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ کا خاندان حضرت ثویبہؓ کے بقیہ نقیہ کے بارے میں سوال کرنا احوال کی تفتیش کے لئے تھا اور خبر دینے والوں کے جوابات ان کی بے خبری کی دلیل تھے، وہ حقیقتِ واقعہ ہرگز نہیں بتاتے۔ صرف ان کی بے خبری یا عدمِ واقفیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لیکن قدیم یا متاخر سیرت نگاروں اور سوانح نویسوں نے ان کے خاندان یا لواحقین کے ختم و فنا ہونے سے تعبیر کر دیا۔ اس نکتہ کی طرف بعض علماءِ سیرت نے

اشارہ بھی کیا ہے۔

رضاعی فرزندانِ ثویبہؓ کا خاندانی نسب ونسبت

حضرت ثویبہؓ کے رضاعی فرزندوں کے خاندانی نسب وتعلق کی جہت ان کی رضاعت کی ایک عظیم تر جہت ہے۔ بار بار ذکر آ چکا ہے کہ ان چھ معلوم فرزندوں میں سے چار کا تعلق قریش کے عظیم ترین خاندان بنو ہاشم سے براہ راست رہا تھا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ سربراہِ خاندان جناب عبدالمطلب ہاشمی کے فرزندوں۔ بارہ فرزندوں۔ میں سے ایک تھے۔ دوسرے عبدالمطلب ہاشمی کے فرزند اکبر حارث بن عبدالمطلب کے یتیم فرزند تھے کہ ان کے باپ عام الفیل سے پانچ سال قبل وفات پا چکے تھے۔ حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمیؓ کی مانند رسول اکرم ﷺ بھی عبدالمطلب ہاشمی کے دوسرے مرحوم فرزند عبداللہ ہاشمی کے درِ یتیم تھے۔ آخری ہاشمی فرزند حضرت جعفر بن ابی طالبؓ جناب عبدالمطلب ہاشمی کے تیسرے پوتے تھے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ عبدالمطلب ہاشمی کے اپنے فرزندِ عزیز کے علاوہ ان کے دیگر تین فرزندوں کے بیٹوں کی رضاعت حضرت ثویبہؓ نے یکے بعد دیگرے کی تھی۔ اور ان میں سے تین ہاشمی فرزندوں کی رضاعت کا انتظام خود جناب عبدالمطلب ہاشمی نے کیا تھا۔ صرف حضرت جعفرؓ کی رضاعت کا کام اور انتظام ان کے والد ماجد ابوطالب ہاشمی نے کیا تھا۔ یہ بھی اہم بات ہے کہ جناب عبدالمطلب ہاشمی کی روایتِ رضاعت کو ان کے بعد بھی جاری رکھا گیا۔ (عبدالمطلب ہاشمی...... ۴۳ وما بعد)

باقی دو غیر ہاشمی رضاعی فرزندانِ حضرت ثویبہؓ میں سے ایک حضرت عبداللہ بن جحشؓ کا تعلق خاندانی ایک بدوی قبیلہ بنو خزیمہ کے خاندان بنو اسد سے تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد بنو امیہ کے حلیف اور دوست بن گئے تھے۔ جن کو بنو ہاشم کا روایتی حریف اور قبائلی دشمن سمجھا جاتا ہے۔ مزید اہم

بات یہ ہے کہ یہ خلفاء بنی امیہ رشتۂ مصاہرت سے بنو ہاشم کے رشتہ دار بن گئے تھے، جس طرح خود بنو امیہ کے کئی افراد کی ہاشمی خاندان میں شادیاں ہوئی تھیں۔ خاندانی طور سے بہر حال وہ غیر تھے۔ دوسرے غیر ہاشمی فرزند رضاعی حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ تھے جو خاندانِ بنو مخزوم سے تھے اور جن کا خاندان بنو ہاشم کے بزرگ تر خاندان بنو عبد مناف کا روایتی حریف، مدّ مقابل اور کسی حد تک رقیب سمجھا جاتا ہے۔ ان کی رضاعت بھی حضرت ثویبہؓ نے کی تھی۔(۱)

دوسری طرف ایک دلچسپ قدرِ مشترک بھی ان تمام فرزندانِ رضاعتِ ثویبہؓ میں ملتی ہے جو بہت اہم ہے۔ دونوں اسدی خزیمی اور مخزومی رضاعی فرزندوں کی مائیں ہاشمی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن جحش کی ماں حضرت امیمہ تھیں اور حضرت ابو سلمہ کی ماں حضرت برہ تھیں اور ان دونوں کے والد ماجد حضرت عبدالمطلب ہاشمی تھے۔ اس طرح دونوں فرزند اُن کے نواسے تھے۔ اسی مادری نسبت اور رشتہ سے وہ ابولہب ہاشمی کے بھانجے بھی لگتے تھے اور عرب روایت میں "ابن اخت" خاندان کا فرد سمجھا جاتا تھا جیسا کہ احادیثِ نبوی، روایاتِ سیرت اور واقعاتِ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ خود ابولہب ہاشمی بھی اس رشتہ کا احترام کرتا تھا۔(۲)

ایک دوسری جہت یہ بھی ہے کہ ان فرزندوں کی مائیں ہاشمی تھیں اور ان کی نسبت سے وہ بنو ہاشم کے بالعموم اور ابولہب ہاشمی کے رشتہ دار لگتے تھے تو بالکل اسی طرح دوسرے فرزندانِ حضرت ثویبہؓ کی مائیں بھی دوسرے خاندانوں سے تھیں جو الگ

---

(۱) بحث کے لئے ملاحظہ ہو: "عبدالمطلب ہاشمی......" ۴۳ و مابعد؛ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات، بنو عبد مناف۔ عظیم تر متحدہ خاندان رسالت" معارف اعظم گڈھ، فروری مارچ ۱۹۹۶ء، ۱۵، ۱۶ او مابعد

(۲) عبدالمطلب ہاشمی وغیرہ کے مذکورہ حوالے: نیز عہد نبوی میں سماجی تحفظ کا نظام، تحقیقات اسلامی علیگڈھ اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۰۲ء، ۲۱۔ ۴۷ بحوالہ ابن ہشام ۱/۳۹۱، ۳۹۲؛ سہیلی ۲/۲۲۲۔ ۲۲۵: "قصة ابی سلمة فی جوارہ" جب ابولہب ہاشمی نے حضرت ابو سلمہ مخزومی کی جوار ابی طالب ہاشمی کی حمایت کی تھی: بخاری، کتاب العتق، باب اذا اسر اخ؛ حدیث: ۲۵۳۷؛ فتح الباری ۵/۲۰۷ و مابعد: ابن اخت پر بحث۔

تھے۔ حضرت حمزہؓ اور رسول اکرم ﷺ کی مائیں بنو زہرہ قریش سے تھیں اور حضرت ابوسفیان و جعفر ہاشمی کی مائیں بالترتیب قریش کے خاندان بنو فہر اور بنو ہاشم سے تھیں۔ ابوسفیانؓ کی ماں کا نام غزنہ بنت قیس فہری تھا اور حضرت جعفر کی ماں مشہور خاتون حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں، جو جناب عبدالمطلب ہاشمی کے اخیافی برادر تھے۔ لہٰذا وہ کئی قریشی خاندانوں سے مادری نسبتیں رکھتے تھے۔ ان مادری نسبتوں کی بنا پر اکابرِ قریش کو اپنے مادری رشتہ داروں کی حمایت و محبت اور جوار حاصل ہوئی تھی۔ (۱)

رسول اکرم ﷺ کی رضاعتِ ثویبہؓ کے ضمن میں بالعموم ابولہب ہاشمی کی نسبت و سلسلۂ جنبانی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان نسبی اور تاریخی حقائق کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان تمام رضاعی فرزندانِ حضرت ثویبہؓ کے سلسلے میں بھی اسی دشمنِ اسلام کا ہاتھ تھا۔ اس کی تردید میں اصل بحث تو حضرت ثویبہؓ سے ابولہب ہاشمی کے رشتہ و ربط کے مبحث میں آئے گی یہاں یہ کہنا کافی ہوگا کہ نومولود بچوں کی رضاعت و پرورش کا کام عرب سماج میں اور اسلامی معاشرے میں بھی نومولود کے پدری سلسلے کے بزرگ کرتے ہیں جیسا کہ رضاعتِ نبوی اور دوسری رضاعتوں کے ضمن میں ثابت ہوتا ہے۔ (۲)

رضاعتِ ثویبہؓ کی نوعیت

رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کے باب میں بڑی صراحت کے ساتھ ذکر آتا ہے کہ حضرت ثویبہؓ نے صرف چند روز ہی آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ ان ایامِ رضاعت کی مدت خواہ کتنی رہی ہو۔ بہرحال وہ حالات واخبار کے لحاظ سے عارضی رضاعت رہی تھی۔ لیکن دوسری رضاعاتِ حضرت ثویبہؓ کے بارے میں ایسی تصریح کہیں بھی نہیں ملتی، نہ اس قسم کے کسی طرح قرینے اور اشارے ہی ملتے ہیں۔ لہٰذا یہ

(۱) بلاذری ۱/۳۹ ۵ ومابعد؛ ابن سعد ۱/۹۳۔۹۴؛ اصابہ نمبر ۲۵۹۲؛ اسد الغابہ تراجم مذکورہ بالا صحابہ کرام و اکابرِ قریش مفصل بحث کے لئے: ”عبدالمطلب ہاشمی......“ ۴۸۔۴۹ بالخصوص، نیز فتح الباری ۵/۲۰۸ کی بحث ابن اخت پر۔

(۲) رسول اکرم ﷺ کے دادا نے آپ کی رضاعت کا انتظام کیا تھا: ”عبدالمطلب ہاشمی......“

ثابت ہوتا ہے کہ وہ باقی پانچ فرزندوں۔ حضرت حمزہؓ، ابوسفیان ہاشمیؓ، عبداللہ بن جحش اسدیؓ، ابوسلمہ مخزومیؓ اور جعفر ہاشمیؓ۔ کی مستقل مرضعہ رہی تھیں۔ اور صرف ان کی رضاعت ہی باقاعدہ اور مستقل رضاعت رہی تھی جو روایت کے مطابق دو سال تک جاری رہی تھی۔

بہر کیف حسب دستورِ سیرت وسوانح بعض روایات ایسی ملتی ہیں جو ان اکابرِ قریش کی دوسری رضاعتوں اور ان کی دوسری ماؤں کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ ان روایات کا تجزیہ کرنا ضروری ہے تاکہ رضاعتِ ثویبہؓ کے استقلال کا دعویٰ ثابت ہوسکے۔

حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمیؓ کی رضاعت کے معاملہ میں بعض روایات میں آتا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر بھی آچکا ہے کہ ان کی رضاعت حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے کی تھی۔ بلاذری وغیرہ کی صراحت ملتی ہے کہ وہ رضاعت اگر رہی بھی تھی تو عارضی تھی کہ حضرت حلیمہ سعدیہ نے ان کو صرف چند دنوں تک دودھ پلایا تھا۔ "أرضعت حليمة أياما" جس طرح رسول اکرم ﷺ کی رضاعتِ ثویبہؓ عارضی رہی تھی۔ غالباً اس کا سبب حضرت ابوسفیان ہاشمی کی رضاعتِ ثویبہؓ کا مستقل انتظام تھا جو رسول اکرم ﷺ کی رضاعت سے کچھ قبل ہوچکا تھا۔ حضرت ثویبہؓ بیک وقت اپنے فرزند اصلی کے ساتھ صرف ایک ہی رضاعتِ فرزند کی رضاعت کا بوجھ اٹھا سکتی تھیں۔ اس لئے رسول اکرم ﷺ کے لئے دوسری مرضعات کی تلاش کی گئی۔ یہ تلاش بھی غالباً اسی رضاعتِ حضرت ثویبہؓ کی عدم دستیابی کے سبب ہوئی تھی۔ البتہ بعض روایات میں ان کی رضاعتِ بنی سعد کو مستقل بتایا گیا ہے جو غالباً ان کے راویوں کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

حضرت حمزہؓ کی ایک ایسی ہی عارضی رضاعت کا حوالہ آتا ہے۔ بعض روایات ان کی رضاعتِ بنی سعد کو مستقل بتاتے ہیں لیکن وہ روایات دوسری روایات بالخصوص حضرت ثویبہؓ کی رضاعت سے مقید ومخصوص ہو جاتی ہیں۔

ان تمام روایات واخبار کی تحلیل و تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ رضاعتِ نبوی کے علاوہ باقی تمام رضاعتیں مستقل نوعیت کی تھیں لیکن اگر وہ بعض سیرت نگاروں کے مطابق عارضی طور سے بھی رضاعت کے لئے منتخب کی گئی تھیں تو ان کے انتخاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ آخر ان ہی کا انتخاب کیوں کیا جاتا تھا؟

حضرت ثویبہؓ بطور مرضعۂ مکہ

رضاعتِ ثویبہؓ کی غالباً اہم ترین جہت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے تمام ایامِ رضاعت میں چھ چھ نونہالانِ قریش کی رضاعت کی تھی۔ ایسے نونہالانِ مکہ اور فرزندانِ قریش جن کی شخصیات عہد ساز بلکہ تاریخ ساز تھیں اور جنھوں نے اپنے زمانے کے دھاروں کو بدل دیا۔ رسول اکرم ﷺ کی عظیم ترین شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں حضرت ثویبہؓ کی چندروزہ رضاعت کا کچھ نہ کچھ حصہ تھا اور دوسری شخصیات کی تہذیب و پرورش میں تو ان کے دودھ کی ایک بڑی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خون اور دودھ کے اثرات تا زندگی شعوری اور غیر شعوری طور سے کارسازی، کارگزاری اور کارفرمائی کرتے ہیں۔

یہاں ایک سوال اور بڑے کانٹے کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی عظیم شخصیات کی رضاعت کے لئے حضرت ثویبہ ہی کو کیوں منتخب کیا گیا؟ رسول اکرم ﷺ کی چند روزہ رضاعت کا مزید فریضہ والدہ ماجدہ ہی انجام دے سکتی تھیں تا آنکہ مستقل مرضعہ کا انتظام ہو جاتا۔ دوسرے ہاشمی اور مخزومی اور اسدی خزیمی نومولودوں کے لئے بھی ان ہی کا انتخاب بطور مستقل مرضعہ کیوں کیا گیا؟ ابولہب ہاشمی سے حضرت ثویبہؓ کے رشتہ و تعلق کی کارسازی تھی کہ اس نے اپنے بھائی، بھتیجوں اور بھانجوں کی رضاعت کے لئے ان کو منتخب کیا۔ اس رشتہ و تعلق میں ایسی کوئی مجبوری کا عنصر یا جبر کا معاملہ نہیں تھا کہ صرف حضرت ثویبہؓ ہی کو متعین کیا جاتا۔ ابولہب ہاشمی یا دوسرے سرپرستِ فرزندان کسی خاندانی مرضعہ کا انتخاب کر سکتے تھے یا کسی اور خدمت گزار کو مامور کر سکتے

تھے ان کے ہاں، ان کے اپنے خانوادوں اور گھروں میں اور پورے شہرِ حرام میں خاندانی مستورات کی کمی تھی، نہ دوسری رضاعی خدمت گزاروں کی۔

ان تمام اور ان جیسے دوسرے تمام سوالات کا ایک ہی جواب سمجھ میں آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت ثویبہؓ کی شخصیت اور بطور مرضعہ ان کی حیثیت نے ان کو یہ مقامِ عالی شان دلایا تھا۔ قریش اور غالباً پورے مکہ مکرمہ میں ان کو ایک مثالی رضاعی ماں سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کی رضاعت وحضانت، پرورش وپرداخت اور مادرانہ شفقت ومحبت کے عظیم نقوش دلوں میں ثبت تھے۔ ان ہی وجوہِ محبت کی بنا پر حضرت ثویبہؓ کو مختلف زمانوں میں اور ایک خاصے طویل عرصے تک فرزندانِ ہاشمی وقریشی کی رضاعت کا کام سونپا گیا۔ ان کی مادرانہ رضاعت کے ہر ہر زمانے اور ہر ہر مرحلے میں ان سے اور صرف ان ہی سے یہ خدمت لی گئی۔ دوسری مرضعات کو اسی وقت پسند یا منتخب کیا گیا جب وہ فطری وجوہ سے خدمت گزاری سے معذور یا مجبور تھیں۔

حضرت ثویبہؓ کی سماجی حیثیت

قدیم حدیثی اور سیرتی مصادر میں بالعموم حضرت ثویبہؓ کو ابولہب ہاشمی کی ایک باندی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس سماجی حیثیت اور معاشرتی مرتبت کے لئے مختلف الفاظ واصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، جن کے مخصوص معانی ومفاہیم ہیں۔(۱)

اور نہ صرف ان روایات میں ان کی مولاۃ کی حیثیت دکھائی گئی ہے بلکہ ان کے آزاد (عتاق) کرنے کی بات بھی کہی گئی ہے۔ اردو سیرت نگاروں نے انھیں روایات واخبار اور تبصروں سے متاثر ہو کر ان الفاظ کا اردو ترجمہ الگ الگ ضرور کیا ہے مگر ان سب میں غلامی اور کنیزی کا معنی ومفہوم ضرور موجود ہے۔ حالانکہ ان میں سے

(۱) جیسے "مولاۃ" (بخاری، بلاذری، فتح الباری، شبلنجی (ص ۴۵)، اصابہ/ابن حجر عسقلانی، نیز متعدد دیگر بنیادی کتب حدیث وسیر؛) "جاریۃ" (شامی، حلبی، سہیلی، قنوجی (سید صدیق حسن)؛ شبلنجی ر ۹؛ نیز بعض دوسری کتب تاریخ وسیرت؛) اور مملوکۃ (بلاذری)

کئی دوسرے مواقع پر ان اصطلاحات کا دوسرا ترجمہ کرتے ہیں۔ جیسے متعدد احادیث میں جاریۃ کا ترجمہ بچی/بچیاں اور کمسن لڑکی/لڑکیاں کیا ہے جیسے جواری بنی النجار کے گیت میں آتا ہے۔

لفظ لونڈی سب سے زیادہ مقبول ہے کہ بہت سے اردو سیرت نگاروں اور علماءِ محققین نے اس کو حضرت ثویبہؓ کے لئے استعمال کیا ہے۔ (سید سلیمان ندوی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید ابوالحسن علی ندوی/رسول اکرم، جعفر شاہ پھلواروی، صفی الرحمٰن مبارکپوری وغیرہ) مولانا ادریس کاندھلوی نے ''آزاد کردہ کنیز'' کی اصطلاح استعمال کی ہے اور غالباً دوسروں کے ہاں بھی وہ ملتی ہے۔ بہر حال ان سب میں حضرت ثویبہؓ کی غلامی، کنیزی اور اس سے آزادی کے معنی ومفہوم ملتے ہیں اور ان کو بہر حال لونڈی ہی سمجھا اور سمجھایا گیا ہے اگر چہ ان کی غلامی اور اس سے متعلق دوسری تفصیلات کا توڑا ہے۔

غالباً ان کے ''مولاۃ'' ہونے کا تصور اور اس بندھن سے آزاد ہونے کا واقعہ سب سے پہلے امامِ سیرت وحدیث حضرت عروہ بن زبیر اسدی قریشی رحمہ اللہ (۲۲/۶۴۲-۹۳/۷۱۱) نے بیان کیا تھا۔ ان کی قدامت وثقاہت نے ان کے خیال کو واقعہ بنادیا اور حدیث بخاری ۔۵۱۰۱ کے تعلیقہ میں اس کے نقل کئے جانے نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کردی۔ امام بخاریؒ نے حدیثِ حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ کے بعد اپنے تعلیقہ میں قولِ عروہ نقل کیا ہے: ''قال عروہ: وثویبة مولاة لابی لهب ......''

(فتح الباری ۹/۵۷ اوغیرہ)

غالباً دوسرے تمام قدیم راویوں، سیرت نگاروں اور شارحینِ حدیث نے قولِ عروہ کو بھی حدیثِ مرفوع کی طرح قطعی اور صحیح سمجھا، اور اس کی روایت نسل در نسل اور کتاب بہ کتاب ہوتی رہی۔ کسی نے اس قول وخیال 'ور روایت کی تنقید کا خیال بھی نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ جب یہ خیال ذہن وقلب میں راسخ ہوگیا تو دوسری روایات

واحادیث کی چھان بین اور تنقید و تجزیے کی طرف دھیان بھی نہیں گیا۔

"مولاۃ ابی لھب" کہنے کے ساتھ ہی حضرت عروہؒ نے ان کی آزادی کی روایت بھی اپنے مرسل انداز میں کردی۔ اسے بھی بعد کے تمام راویوں نے قبول کر کے نقل کیا اور اسے سکہ رائج الوقت بنادیا۔ متاخرین کو پھر تحقیقِ حال کی جستجو کیوں ہوتی؟ "مولاۃ" کے ساتھ ان کی آزادی کی روایت نے دوسرے الفاظِ غلامی کو بھی روایات واخبار میں چلا دیا اور وہ سچ مچ باندی بن کر رہ گئیں۔ حضرت ثویبہؓ مولاۃ ابی لھب تھیں اور ان کو کسی وقت ان کے آقا وسرپرست نے آزاد کردیا تھا۔ اس روایت کو تقریباً تمام مؤلفینِ کرام نے بیان کیا ہے۔ البتہ ان کی غلامی اور کنیزی کی مدت اور آزادی وخودمختاری کی توقیت پر ان مؤلفینِ سیرت میں اختلاف ہوا ہے۔

اس کا سبب صرف یہ ہے کہ حضرت ثویبہؓ کی آزادی کے وقت ولمحہ کے بارے میں دومتضاد روایات نقل کی گئی ہیں۔ یہ روایات بھی راویوں کی پسندِ خاطر پر مبنی ہیں اور ان کو قبول ومسترد کرنے والوں کا رویہ بھی ان کے ذہنی وفکری رجحان کا آئینہ دار ہے۔ بہرحال ان روایاتِ آزادی کے سبب دوطبقاتِ مؤلفین بن گئے ہیں اور ان کی وجہ سے ایک اصول تالیف وقبولِ روایت بھی ملتا ہے اور وہ ہے اصولِ ترجیح۔ دوقسم کی یا متضاد ومتصادم روایات میں پہلے تو تطبیق کر کے ان سب کو صحیح قرار دینے کی کوشش کا اصول وعمل بھی ملتا ہے، مگر تطبیق کے محال وناممکن ہونے کی صورت میں ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا عمل عام ہے۔ یہ مشہور قاعدہ ہے۔ (۱)

---

(۱) محمد ضیاء الرحمٰن، معجم اصطلاحاتِ حدیث"، مرتبہ سہیل حسن، دارالکتب السلفیہ، اردو مارکیٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴، ۱۳۶:
الترجیح: "اگر کسی مسئلے میں دوقابلِ قبول احادیث میں تعارض نظر آئے تو انھیں جمع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ترجیح دینے کے مراحل یہ ہیں:
۱۔ ناسخ کا علم ہوجائے تو منسوخ پر ترجیح دی جائے گی۔
۲۔ ناسخ ومنسوخ کا علم نہ ہونے کی صورت میں کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دیں گے۔ پچاس یا ان سے زائد وجوہِ ترجیح ملتی ہیں......"

حضرت ثویبہؓ کی غلامی سے آزادی

حضرت ثویبہؓ کی آزادی کے بارے میں دو طرح کی روایات میں ایک خاص نکتہ ہے:

(الف) ولادت نبوی کے معا بعد وہ آزاد کردی گئی تھیں۔

(ب) ان کی ہجرتِ نبوی تک آزادی عمل میں نہیں آئی تھی۔ حدیث بخاری اور دوسری روایات میں ان کی آزادی کے وقت سے جو بحث کی گئی ہے وہ دو طبقات کے مطابق الگ الگ ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔ اس بحث میں تحلیل و تنقیح اور تنقید و تجزیے سے بھی پورا پورا کام لیا جائے گا، تاکہ اصل صورتِ حال واضح ہو سکے۔

رضاعتِ نبوی سے قبل آزادی

مؤلفینِ سیرت دونوں قدیم و جدید۔ کو اس نکتہ سے بڑا شغف ہے کہ حضرت ثویبہؓ نے بطور ایک آزاد مرضعہ رسول اکرم ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ ان کے خیال و نظریہ میں ایک باندی، ایک لونڈی اور ایک کنیز کی رضاعت مقامِ نبوی سے فروتر تھی۔ حسنِ اتفاق سے حدیثِ بخاری۔ ۵۱۰۱ میں وارد قول حضرت عروہؓ میں اسی رجحان و خیال کی عکاسی کی گئی ہے کہ ابولہب نے ان کو پہلے آزاد کردیا تھا اور اس کے بعد انھوں نے رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کی تھی: ''وکان أبولهب أعتقها فأرضعت النبي ﷺ'' شارحِ حدیث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس خیال کے ترجمان ہیں، لہٰذا انھوں نے قطعیت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ وہ رضاعت نبوی سے قبل آزاد ہو چکی تھیں اور اپنی تائید میں امام سہیلی کی رائے اور تبصرہ کو بھی نقل کیا ہے: ''ظاهره أن عتقه لها كان قبل إرضاعها...... وحكى السهيلي أيضا أن عتقها كان قبل الإرضاع، وسأذكر كلامه ''۔ دوسرے قدیم و جدید مؤلفین و شارحین میں سے کئی نے یہی نقطۂ نظر اپنایا ہے۔(۱)

---

(۱) فتح الباری، ۹/۱۸۱؛ سہیلی ۲/۱۶۳ نیز ۵/۱۹۲؛ نیز حلبی ۱/۸۴؛ ادریس کاندھلوی ۱/۶۸ بحوالہ زرقانی ۱/۱۳۷؛ نیز صدیق حسن قنوجی، ۱۴۔

آزادی کا سبب

حسب دستور امام سہیلیؒ نے اس عقد کو کھولا ہے کہ ابولہب نے رسول اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشخبری سنانے کے صلے میں حضرت ثویبہؓ کو آزاد کر دیا تھا "وكانت ثويبة بشرت أبا لهب بمولده فأعتقها" یہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے امام سہیلیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ میں ایک جوہری فرق ملتا ہے۔ حافظ موصوف نے حضرت ثویبہؓ کی آزادی کا حوالہ ایک خواب (رؤیا) کے بیان میں دیا ہے۔ ایک طرح سے وہ ابولہب کے مرنے کے بعد کسی کے خواب میں اس کے اخروی حالتِ زار کے بیان کا ایک حصہ ہے۔ اس پر ایک الگ فصل میں بحث آتی ہے۔ امام سہیلیؒ نے اپنی ایک روایت میں اسے بطور واقعہ بیان کیا ہے، جو تاریخی ہے۔

امام سہیلیؒ کے مطابق حضرت ثویبہؓ نے ابولہب کو بشارت دیتے ہوئے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آمنہ نے آپ کے بھائی عبداللہ کے ایک لڑکے کو جنم دیا ہے؟ ابولہب نے ان سے کہا جاؤ، تم آزاد ہو: "كانت ثويبة قد بشرته، فقالت له: أشعرت أن آمنة قد ولدت غلاما لأخيك عبدالله؟ فقال لها: اذهبي، فأنت حرة......"(۱)

متعدد دوسرے متاخرین نے بھی اسی روایت و بیان اور نقطۂ نظر کو قبول کیا ہے کہ حضرت ثویبہؓ کی آزادی ولادتِ نبوی کے معاً اس کی بشارت ابولہب ہاشمی کو دینے کے سبب ہوئی تھی۔ بعض نے صراحت کے ساتھ اور بعض نے مضمر طور سے سبب آزادی کو بیان کیا ہے۔ ان کی آزادی کی یہ معقول وجہ معلوم ہوتی ہے اور اس کی دو وجوہ تھیں: ایک یہ کہ ابولہب ہاشمی نے اپنے یتیم بھتیجے کی پیدائش کو نعمتِ غیر مترقبہ جان

---

(۱) سہیلی ۵/۱۹۲؛ حاشیہ محقق ۲۔ بروایت شیخین...... "قد أخرجا عن عروة قال: أعتق ابولهب ثويبة فأرضعت رسول الله......"؛ نیز فتح الباری ۹/۱۸۱؛ حلبی، کاندھلوی، غیرہ کے مذکورہ حوالے؛ ابن کثیر ۲/۳-۲۷۲؛ اضافہ بخاریؒ؛ صدیق حسن قنوجی، ۱۳)

کر مارے خوشی کے بشارت دینے والی خاتون / باندی کو اپنی غلامی کے بندھن سے آزاد کر دیا۔ دوسری یہ کہ غلام اور باندیوں کے احوالِ آزادی میں سے ایسے مواقعِ مسرت و بشارت بھی شامل تھے اور ان کی سند بھی ملتی ہے۔ اول الذکر وجہ کو بعض سیرت نگاروں نے قبول کیا ہے اور دوسری وجہ پر مختصر بحث آگے آتی ہے۔

طویل مدت کے بعد آزادی

بعض دوسری روایات ایسی ملتی ہیں جن میں دو زمانے ان کی آزادی کے بیان کئے جاتے ہیں: ایک ہجرتِ نبوی سے قبل اور دوسرے ہجرتِ نبوی کے بعد۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے سیرتی روایات کے اختلاف سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے مطابق ابولہب نے حضرت ثویبہؓ کو ہجرت سے قبل آزاد کیا تھا جو ایک طویل زمانے کا معاملہ ہے "وهو أن أبالهب أعتقها قبل الهجرة ......" بلاشبہ وہ دہرِ طویل کا معاملہ بن جاتا ہے کہ اس طرح ان کی آزادی کا زمانہ ترپن سال تک۔ ۶۲۲ء تک موخر ہو جاتا ہے۔ جب رسول اکرم ﷺ کی عمر شریف ترپن سال تھی اور حضرت ثویبہؓ اپنی زندگی کے بہترین ایام گزار کر اخیر عمر کو پہونچ چکی تھیں۔ (فتح الباری ۱۸۱/۹)

غالباً اسی قسم کی روایات اور اسی نوع کے بیانات نے ہجرتِ نبوی کے بعد کے زمانہ میں ان کی آزادی کے خیال کو جنم دیا۔ کیونکہ متعدد روایات نے یہی بتایا ہے کہ ان کی آزادی ہجرتِ نبوی کے وقت یا اس کے بعد ہی عمل میں آئی تھی۔ مثلاً بلاذری کی روایت میں ہے: "فلما هاجر رسول الله ﷺ إلى المدينة أعتقها أبولهب ......" جملوں کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ یہی روایت حلبی کی ہے مگر لفظ "قیل" کے ساتھ آئی ہے "وقيل انه انما أعتقها لما هاجر رسول الله ﷺ الى المدينة" امام سہیلیؒ نے اسی روایت ضعف کی علامت کے ساتھ امام ابن سعد کی روایت اسی معنی کی نقل کی ہے جس میں بعدِ ہجرت آزادی کی صراحت

پوری طرح ملتی ہے: "هو لم يعتقها إلا بعد الهجرة"۔ بہر حال ان تمام روایات میں ہجرت کے قریب یا بعد ان کی آزادی کو صحیح نہیں گردانا گیا ہے۔ اس کے باوجود متعدد متاخرین و محققین نے ان کی آزادی کی ہجرت کے بعد کی روایات کو ہی قبول کیا ہے اور ان کی مخالف روایات کا حوالہ بھی نہیں دیا، مثلاً مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے کہ "بعد میں اس نے خود ہی آزاد کر دیا" اگر چہ اس بعد کی تعیین نہیں کی ہے مگر مکی دور کے بعد ہی کی وہ بات ہے۔ ان تمام روایات میں بہر حال حضرت ثویبہؓ کی آزادی کی وجہ نہیں ظاہر کی گئی ہے جیسے کہ مولانا مودودیؒ وغیرہ کے فقرے سے معلوم ہوتا ہے۔ (۱)

آزادی کی روایات میں ترجیح

ان دو متصادم روایاتِ آزادی میں ایک مورخ و سیرت نگار کے لئے انتخاب و ترجیح کا مشکل مرحلہ پیش آتا ہے۔ ترجیح دینے کے کچھ اصول ہیں اور اامامانِ حدیث و تاریخ ان ہی اصول اور وجوہ کی بنیادوں پر دو متصادم یا دو سے زیادہ متضاد روایات میں ترجیح دیتے ہیں اور ایک کو قبول اور دوسرے کو مسترد کرتے ہیں۔ سر دست ان اصول و وجوہ سے بحث نہیں کرنی ہے صرف مختلف اامامانِ سیرت کے عملِ ترجیح سے مختصر بحث کافی ہوگی اور اسی سے ان کے اصول و وجوہ کا بھی پتہ چل جائے گا اور ان متصادم روایات میں کسی ایک کو ترجیح دے کر اسے قبول کر لینے کا حق ہمیں بھی مل جائے گا۔

بیشتر قدیم محدثین اور اامامانِ سیرت نے حضرت ثویبہؓ کی آزادی کو ولادتِ نبوی کی خوشخبری دینے کے معا بعد کا واقعہ تسلیم کیا ہے اور بعد کی آزادی کی روایات پر اسی کو ترجیح دی ہے۔ ان کے بیانات سے چند وجوہ اور بنیادیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ قدیم ترین امامِ سیرت و حدیث حضرت عروہؓ نے اگر چہ سببِ آزادی نہیں بیان کیا تاہم ان کی آزادی کو پہلے بتایا ہے اور اس کے بعد ہی رسول اکرم ﷺ کی

(۱) بلاذری ۹۶/۱؛ حلبی ۸۵/۱؛ سہیلی ۱۹۱/۵۔۹۲؛ حاشیہ محقق ۔۳ بحوالہ طبقات ابن سعد؛ نیز دیگر کتب سیرت؛ مودودی ۹۶/۲

رضاعت ہونے کا واقعہ تسلیم کیا ہے۔امام بخاریؒ کے تعلیقہ پر امام ابن حجر عسقلانیؒ کی بحث میں یہ واضح ہے امام سہیلی وغیرہ نے قدماء میں اور دوسرے مولفین میں متاخرین نے اسی کو قبول کیا ہے اور پوری صراحت ووضاحت سے کام لیا ہے۔اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ثویبہؓ کی آزادی کی وجہ بھی بعض دوسری روایات میں بیان کی گئی جو ولادت نبوی کے بعد ان کی آزادی کو ثابت کرتی ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بعد میں ان کی آزادی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی جب ابولہب ہاشمی کی اسلام ورسول دشمنی اپنے عروج پر تھی۔اس کے برخلاف رسالت وبعثت کے زمانے تک اسے رسول اکرم ﷺ سے خاص محبت تھی۔امام سہیلیؒ کی جیسی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ ولادتِ نبوی پر اسے اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے بشارت دینے والی باندی کو آزادی بخش دی۔

تطبیق اور دو متضاد روایات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی سعی بلیغ بھی علومِ حدیث وسیرت وتاریخ میں ایک اصول بن گئی ہے۔امام سہیلی اور حلبیؒ نے امامانِ تطبیق کے خاص انداز میں دور کی کوڑی لانے کے مترادف توجیہ کی ہے۔فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایاتِ آزادی میں کسی قسم کی ''منافاۃ'' (تصادم وتضاد) نہیں ہے۔اس کا امکان ہے کہ ابولہب نے ان کو آزادی تو بشارت کے صلہ میں بخش دی تھی مگر ان کی آزادی ظاہر وباہر نہیں ہوسکی۔حضرت ثویبہؓ کی فروخت وبیع کی تجویز کو اس نے اس لئے مسترد کر دیا تھا کہ وہ پہلے سے آزاد تھیں اور آزاد کی بیع نہیں ہوسکتی۔خرید کی درخواست حضرت خدیجہؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔بہر حال ہجرت کے بعد حضرت ثویبہؓ کی آزادی کا معاملہ ظاہر ہوگیا۔(سہیلی ۱۹۱/۵؛ حلبی ۸۵/۱)

ابولہب کو اجرِ آزادی کا مسئلہ

حضرت ثویبہؓ کی آزادی کے تعلق سے ایک خواب کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

محدثین واہلِ سیر سب نے اس پر کلام کیا ہے۔ اسے نہ صرف ایک بطور تاریخی واقعہ بیان کیا ہے بلکہ اس کی بنا پر اسلامی اصول اجر وثواب بھی نکالا ہے اور خاصا مسئلہ کھڑا کیا ہے۔ سیرتِ نبوی، تاریخِ اسلامی اور وحیِ حدیث میں رویائے صادقہ کی بہر حال اہمیت بھی ہے اور ان کی دینی وتاریخی حیثیت بھی، ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سیرت کے واقعات میں خوابوں کے کردار ونتیجہ پر متعدد محققین نے بحث ومناظرہ کیا ہے۔ ان میں مستشرقین بھی شامل ہیں۔ حضرت ثویبہؓ کی آزادی کے صلہ میں ابولہب ہاشمی کو اجر وثواب اور اخروی صلہ کی بات کہی گئی ہے۔ پہلے وہ روایات پھر ان کا تجزیہ۔(۱)

اس خوابِ آزادی کا سلسلۂ سند دراصل حدیث بخاری: ۵۱۰۱ میں وارد حضرت عروہؓ کے مذکورہ بالا قول کا اگلا حصہ ہے۔ اس کے مطابق جب ابولہب کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعض خاندان والوں کو خواب میں اس کی زار ونزار حالت دکھائی گئی۔ خواب دیکھنے والے نے سوال پوچھا: تم پر کیا گزری؟ ابولہب نے جواب دیا کہ تمہارے بعد کوئی راحت نہیں پائی سوائے اس کے کہ اس انگلی کے برابر مجھے ثویبہ کو آزاد کرنے کے صلے میں پانی دوشنبہ دوشنبہ کو پلایا جاتا ہے۔ ترجمہ میں دوسری روایات کا بھی لحاظ کیا گیا ہے۔ "فلما مات أبولهب أريه بعض أهله بشر حيبة. قال له: ماذا لقيت؟ قال أبولهب: لم ألق بعدكم غير انی سقيت فی هذه بعتاقتی ثويبة" حافظ ابن حجرؒ نے الفاظ وتعبیرات کی لغوی تشریح کرنے کے بعد وضاحت کی ہے کہ دوشنبہ کو انگلی کے پور بھر پانی پلانے کا مطلب یہ ہے کہ ابولہب نے دوشنبہ کے دن ولادتِ نبوی کی بشارت پا کر حضرت ثویبہؓ کو آزاد کیا تھا، لہٰذا وہ اس

(۱) رویاء صادقہ پر بحث کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب: وحی حدیث کا باب رؤیاء صادقہ کے ذریعہ وحی کی تنزیل وغیرہ دوسرے ابواب؛ بخاری ومسلم کی کتاب التعبیر وغیرہ؛ فتح الباری کے متعلقہ مباحث نیز ابن اسحاق کی سیرت میں رویاء عاتکہ وغیرہ پر بحث ومباحثہ: ابن اسحاق/ابن ہشام وغیرہ کتب سیرت میں رؤیائے اکابر مکہ جیسے رویائے عاتکہ، عباس بن عبدالمطلب وغیرہ اور ان پر بحث سیرت، ابن اسحاق کا انگریزی ترجمہ از الفریڈ گیوم۔

کا صلہ ہے۔ ''وذالك أن النبی ﷺ ولد یوم الاثنین، وکانت ثویبة بشرت أبالهب بمولده فأعتقها''۔ انھوں نے اپنی شرح میں امام سہیلی کے حوالے سے راحت نہ ملنے کی بات کہی اور دوشنبہ کے دن تخفیفِ عذاب کا بھی حوالہ دیا اور خواب دیکھنے والے کا نام حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی بتایا ہے جو ابولہب ہاشمی کے برادرِ خورد تھے: ''مالقیت بعدکم راحة، إلا أن العذاب یخفف عنی کل یوم اثنین'' متعدد متاخرین نے بالعموم اور مولانا کاندھلوی نے بالخصوص اس خواب کے حوالے سے آزادیِ ثویبہؓ کا ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری، ۹/۱۷۵، ۱۸۱۔۱۸۲؛ کاندھلوی ۱/۶۹ نیز حاشیہ۔ ا، بحوالہ البدایہ والنہایہ ۲/۲۷۳ نیز فتح الباری ۹/۱۲۴ بحوالہ سہیلی۔ بخاری شریف کا مولانا کاندھلوی نے حوالہ دے کر ''سرِ انگشت'' کی مقدار پانی پلا دیے جانے کی بات کہی ہے مگر وہ بخاری میں تو نہیں ہے اور نہ ہی فتح الباری میں ہے۔ ''مگر صرف اتنی کہ ثویبہؓ کے آزاد کرنے کی وجہ سے سرِ انگشت کی مقدار پانی پلا دیا جاتا ہے (بخاری شریف) یعنی جس انگشت کے اشارے سے آزاد کیا تھا اسی قدر مجھ کو پانی مل جاتا ہے'' مولانا کی عبارت ہے امام حلبی نے البتہ اس بیان کی سند بیان کی ہے کہ حافظ دمیاطی (عبدالمومن بن خلف شافعی، ۶۱۳/۱۲۱۷۔ ۷۰۵/۱۳۰۶ء) اور مواہب میں یہ بات بیان کی گئی ہے: ''غیر أنی سقیت وهذه واشار الی النقرة المذکورة بعتاقتی ثویبة۔ ذکره الحافظ الدمیاطی والذی فی المواهب وقد رؤی أبولهب بعد موته فی النوم فقیل له: ما حالك؟ فقال: فی النار، إلا أنه یخفف عنی کل لیلة اثنین وأمص من بین اصبعی هاتین ماء وأشار برأس اصبعیه وأن ذالك بأعتاقی لثویبة عند ما بشرتنی بولادة النبی ﷺ وبارضاعها له......'' (۱/۸۴۔۸۵)

اس سے قبل بعض دوسری روایاتِ آزادی کا بھی حوالہ ہے۔ بہرحال مولانا کاندھلویؒ نے پانی پلانے کے واقعۂ خواب کو بخاری شریف کی طرف منسوب کر دیا۔ وہ اصلاً دوسرے مآخذ کی روایت ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے امام سہیلیؒ کے حوالے سے اس خواب کو خواب دیکھنے والے کی حیثیت سے حضرت عباسؓ کو اور تخفیفِ عذاب کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اس میں اور اصل متن سہیلیؒ میں یہ دلچسپ فقرہ/تبصرہ بھی ہے کہ حضرت عباسؓ نے ابولہب ہاشمی کے مرنے کے ایک سال بعد اسے خواب میں دیکھا تھا اور تخفیف عذاب کا سبب حضرت ثویبہؓ کی آزادی کو قرار دیا ہے، جس کے صلے میں اسے یہ جزا ملی تھی: ''قالوا لأنه لما بشرته ثويبة بميلاد ابن أخيه محمد بن عبدالله أعتقها من ساعته، فجوزي بذلك لذلك'' (ابن کثیر ۲/۲۷۳)

خوابِ آزادی پر بحث

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بالخصوص اور دوسرے پیشرو اور متاخر اہلِ علم نے بالعموم اس خواب پر دینی لحاظ سے بحث کی ہے۔ حافظ موصوف کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام پیشروؤں کے افکار و خیالات سے بحث ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر محاکمہ بھی کرتے ہیں۔ حسب دستور انھوں نے علماءِ اسلام کے افکار سے بحث کی ہے اور اصولی، نظریاتی اور خاص اس خواب کے تعلق سے بھی۔ اصولی بحث یہ ہے کہ بعض علماء جیسے قاضی عیاضؒ وغیرہ کا نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ کافر کے تمام اعمالِ خیر دنیا ہی میں حبط ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا کوئی نفع ان کو آخرت میں یا اخروی زندگی میں نہیں پہونچتا اور ان کے عذاب و عقاب میں کسی قسم کی تخفیف نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس دوسرا نقطۂ نظر انھوں نے امام بیہقی وغیرہ کے حوالے سے یہ پیش کیا ہے کہ ان کافروں کو اعمالِ خیر کا کچھ نہ کچھ صلہ اخروی زندگی میں بھی ملتا ہے۔ انھیں کسی قسم کا آرام، اجر و ثواب اور نعمت تو نہیں ملتی مگر ان کے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے۔ حافظ موصوفؒ نے اسی بنا پر ابولہب

ہاشمی کے تخفیفِ عذاب کی روایت قبول کر لی ہے اور اسے ایک اور حدیث نبوی سے مدلل کیا ہے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ابو طالب ہاشمی کی موت کفر پر ہوئی تھی، مگر حمایت ودفاع نبوی کے سبب ان کے عذاب میں تخفیف کی گئی۔ امام قرطبیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جن کفار پر تخفیفِ عذاب ہوتی ہے وہ خاص نص کے ہونے کے سبب ہوتی ہے۔ یعنی یہ معاملہ خاص ہے عام نہیں۔ حافظ موصوفؒ نے اس مسئلہ پر اصولی بحث تو کافی کی ہے مگر حضرت ثویبہؓ کی آزادی کے سبب ابولہب پر تخفیفِ عذاب کے مسئلہ سے خاص کلام نہیں کیا ہے۔ دوسروں بالخصوص متاخرین جیسے کاندھلویؒ وغیرہ نے تو اس مسئلہ سے تعرض ہی نہیں کیا۔ سید صدیق حسن قنوجی بھوپالیؒ نے بھی اس پر بحث نہیں کی شاید اختصار کے سبب۔ دوسرے متاخرین میں سے بیشتر کا یہی خیال وحال ہے۔ (۱)

مورخ یعقوبی نے ان روایاتِ مرسلہ کے مقابلے میں اپنی مرفوع روایت نقل کی ہے جس کے مطابق وہ رؤیائے نبوی تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے بنفس نفیس خواب دیکھا تھا اور بعثت کے بعد دیکھا تھا کہ میں نے ابولہب کو جہنم میں پیاس پیاس کہتے ہوئے چیختے دیکھا تو اسے ایک انگلی کی پور بھر پانی پلا دیا گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ تو اس نے کہا: ثویبہ کو میرے آزاد کرنے کے سبب، کیونکہ اس نے آپ کو دودھ پلایا تھا: ”وقال رسول الله ﷺ بعد ما بعثه الله: رأيت أبالهب يصيح فى النار: العطش العطش فيسقى فى نقر ابهامه. فقلت: بم هذا؟ فقال: بعتقى ثويبة لأنها أرضعتك“۔ (۲/۹، سند نہیں دی ہے)

دوسرے اصولی مباحث کے علاوہ حضرت ثویبہؓ کے آزاد کرنے اور ان کے رسول اکرم ﷺ کے رضاعت کرنے کے صلے میں ابولہب ہاشمی کے عذاب میں تخفیف کرنے اور دوشنبہ دوشنبہ کو اسے پور بھر پانی پلائے جانے کا معاملہ نازک ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام روایات وخیالات کا محور صرف ایک ہے کہ حضرت ثویبہؓ نے

---

(۱) فتح الباری، ۹/۵۷، ۱۸۱۔۱۸۲؛ حلبی ۱/۸۴۔۸۵؛ کاندھلوی ۱/۷۰؛ البدایہ والنھایہ ۲/۲۷۳؛ زرقانی ۱/۱۳۷۔

آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا اور اسے ایسی مرضعۂ نبوی کو آزاد کرنے کا شرف حاصل تھا لہٰذا عذاب میں تخفیف کی گئی۔ یہ صرف "مولاۃ ابی لھب" کے حوالے سے بحث ہے۔ اگر حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ نبوی کے بعد کی آزادی کی روایت تسلیم کی جائیں تو ابولہب کے اخروی تخفیفِ عذاب کی بات صحیح ہوتی ہے کیونکہ اس دشمنِ اسلام ورسول نے مشہور خیال کے مطابق اپنی لونڈی سے خود آپ ﷺ کی رضاعت کروائی تھی۔ لیکن یہ روایات مجروح وضعیف قرار دی گئی ہیں۔

دوسری قسم کی روایات کے مطابق حضرت ثویبہؓ نے آزادی کے بعد رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کی تھی۔ وہ ان کا اپنا فیصلہ تھا لیکن ابولہب کا اس میں کوئی دخل نہ تھا کہ اب وہ آزاد مرضعہ تھیں۔ لہٰذا رضاعتِ نبوی باعثِ تخفیف نہیں ہوسکتی، البتہ ان کی آزادی باعثِ تخفیف بن سکتی ہے۔ اور تمام روایاتِ سیرت وحدیث میں ان کی آزادی (عتاق) ہی پر زور ہے۔ اس طرح حضرت ثویبہؓ کی آزادی کا معاملہ غلاموں باندیوں کے عہد/ حالِ جاہلی میں آزاد کرنے اور بعد میں اس کا اجر ملنے کا معاملہ بن جاتا ہے۔ اس میں قباحت یہ ہے کہ احادیثِ نبوی کے مطابق بحالتِ کفر اعمالِ خیر کرنے کا ثواب صرف اسلام لانے کے بعد مل سکتا ہے، اور ملتا ہے جیسا کہ حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ کی احادیثِ تحنث کے باب میں نظر آتا ہے جن کو بخاری وغیرہ نے نقل کیا ہے۔(۱)

جناب ابوطالب ہاشمی کی حمایت ومدافعتِ نبوی پر تخفیفِ عذاب کا معاملہ کچھ مختلف ہے۔ انھوں نے رسول بننے کے بعد حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کی حمایت ومدافعت کی تھی، گویا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حسن واحسان کا معاملہ تھا جس کا

---

(۱) بخاری، کتاب العتق، باب عتق المشرك: حدیث: ۲۵۳۸ وغیرہ؛ فتح الباری ۵/ ۲۰۸-۲۰۹ جس میں یہ وضاحت ملتی ہے: "إن الكافر إذا فعل ذالك به إذا أسلم" مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو مضمون خاکسار "عہد جاہلی ونبوی میں تحنث کی اسلامی روایت" جہات الاسلام لاہور ج ۱ شمارہ ۱، ۲۰۰۸ء۔

صلہ انھیں ملا۔ ابولہب ہاشمی نے مرضعۂ نبوی کو بعثت سے بہت پہلے آزاد کیا تھا اور بعثت کے بعد تو اس نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ دشمنی کی حد کردی تھی، پھر وہ اسلام بھی نہیں لایا، پھر تخفیفِ عذاب کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ بعض علماء کے مطابق تخفیفِ عذاب کی کوئی حدیث مرفوع بھی نہیں کہ نص صریح کے سبب اسے راحت ملنے کا خیال آئے جیسا کہ ابوطالب کے معاملہ میں ہے۔ بہرحال یہ تعلقِ ابولہب خاصا مجہول ہے اور خطرناک بھی۔ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بعض دوسرے اکابرِ قریش نے بھی حسن سلوک کیا تھا۔ ان میں مطعم بن عدی نوفلی کی جوارِ نبوی کا معاملہ خالص ابوطالب ہاشمی کے وفات جیسا ہے لیکن ان کے بارے میں کسی اخروی صلہ کا ذکر نہیں آتا۔ کیا یہ ہاشمی اکابر کی توقیر و تعظیم میں غلو کرنے کی روایت کا شاخسانہ تو نہیں ہے، جیسا کہ روایات میں ملتا ہے۔

مولاۃ ابی لہب کی دوسری تعبیر

بالعموم مولاۃ کے معنی باندی، لونڈی اور کنیز کے لئے گئے ہیں اور ان کی وجہ سے آزادیٔ ثویبہؓ کی روایات وجود میں آئیں۔ دوسری تعبیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت ثویبہؓ کے عتق و عتاق (آزادی) کے خیال و اظہار کی بنا پر ان کے مولاۃ ہونے کے معنی ان کے باندی اور لونڈی ہونے کے نکالے گئے۔ یہ ظاہری معنی ہیں کیونکہ آزاد تو اسی کو کیا جاتا ہے جو غلام و باندی ہو، کسی اور کو آزاد نہیں کیا جاتا۔ لیکن عرب سماجی نظام میں ایک طریقۂ ولاء تھا جس کے تحت کوئی غیر ملکی، آفاقی و بیرونی شخص یا طبقہ کسی مقام پر سکونت اختیار کرنے کے بعد وہاں کے کسی با اثر شخص/خاندان سے سماجی ارتباط کا رشتہ قائم کرلیتا تھا اور آزاد ہونے کے باوجود اس کا مولیٰ بن جاتا تھا۔ اسی کی ایک صورت حلف کی تھی اور اس رشتۂ اتحاد و یگانگت کرنے والے کو حلیف/حلفاء کہا جاتا تھا۔ وہ اپنے سرپرست شخص کے خاندان ہی کے موالی/حلفاء کہلاتے تھے۔ مکہ مکرمہ

میں بہت سے ایسے بیرونی اشخاص وشخصیات نے ولاء اور حلف کے رشتے استوار کیے تھے۔ صحابہ کرام میں سے حضرت یاسر مذحجیؓ (والد حضرت عمارؓ) بنو مخزوم کے سردار ابو حذیفہ مخزومی کے مولیٰ بن گئے تھے یا حلیف ہو گئے تھے۔ حضرت ابن مسعود ہزلی، عبداللہ بن جحش اسدی اور بنو غنی اور بنو غنم بن دودان وغیرہ کے متعدد موالی اور حلفاء تھے جن کا ذکر کتب سیرت میں ملتا ہے۔(۱)

حضرت ثویبہؓ اسی رشتۂ ولاء کے سبب ابولہب ہاشمی کی مولاۃ بنی تھیں۔ وہ ان کی غلام اور باندی نہیں رہی تھیں۔ امام بخاریؒ نے ان ہی کے رشتۂ ولاء کے سبب اور ان کی رضاعتِ موالات کی بنا پر کتاب النفقات میں ایک باب باندھا ہے "باب المراضع من المواليات وغيرهن"۔ اس میں صرف ایک حدیث: ۵۳۷۲ لائے ہیں اور وہ حدیث: ۵۱۰۱ کا مکرر ہے۔ اس میں رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوسلمہؓ کی رضاعتِ ثویبہ کا ذکر زبانِ رسالت سے ہے: "أرضعتني وأباسلمة ثويبة"۔ اور اس کے آخر میں قول حضرت عروہ مع سند ہے: "وقال شعيب عن الزهري قال عروة: ثويبة أعتقها أبولهب ......" حافظ ابن حجرؒ نے روایتی بحث میں کہا ہے کہ حدیث نبوی مرفوع ومتصل ہے کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے مروی ہے جب کہ قول عروہؓ مرسل ہے۔ اس پر درایتی بحث میں حافظ موصوف نے لکھا ہے کہ حافظ ابن التین نے باب بخاری میں وارد لفظ "المُواليات" کو اسی طرح ضبط کیا ہے۔ اور اسے لفظ "والت، توالیٰ" کا اسم فاعل بتایا ہے اور اسی کو اولیٰ بھی قرار دیا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حضرت ثویبہؓ رشتۂ ولاء سے مولاۃ تھیں، موالیات / موالی میں سے نہیں، کیونکہ وہ لفظ موالاۃ سے ماخوذ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور حافظ ابن بطال کی

---

(۱) ابن سعد، ابن اسحاق / ابن ہشام، بلاذری وغیرہ میں ان کے رشتہ ولاء وحلف کا ذکر ملاحظہ ہو نیز خاکسار کی کتابوں اور مقالات میں اس پر بحث ہے۔

رائے سے اتفاق کیا ہے کہ وہ موالیات (میم کے زبر کے ساتھ) ہے۔ اور اس کو بہتر بتایا ہے۔ ان کے خیال میں موالیات دراصل مولیٰ/مولاۃ کی جمع الجمع ہے اور جمع تکسیر کے سبب وہ موالیات بن گیا ہے۔ موالی کی جمع الجمع موالیات عرب قاعدے سے صحیح نہیں ہے۔ حافظ موصوف دراصل "موالاۃ" کی بحث نہیں سمجھ سکے کیونکہ ان کے ذہن وفکر پر حضرت ثویبہؓ کے باندی ہونے اور باندی کے رشتہ سے آزادی ہونے کا مفہوم مسلط تھا۔ وہ سیرتی روایات سے متاثر ہو گئے۔ دراصل امام ابن التینؒ کا خیال صحیح ہے اور امام بخاریؒ کا ترجمۃ الباب اسی کی تائید کر رہا ہے جس کی ایک حیثیت ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ حضرت ثویبہؓ ابولہب ہاشمی کی رشتۂ ولاء سے مولاۃ تھیں اور قولِ عروہؒ میں ان کی آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ رشتۂ ولاء سے ان کی آزادی ہوئی تھیں۔ جیسا کہ متعدد موالی/اور رشتۂ ولاء والوں کے آزاد ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ (۱)

حدیث/احادیثِ بخاری کے بالمقابل حدیثِ مسلم میں حضرت رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومیؓ کی رضاعتِ ثویبہؓ اور اس کی بنا پر دونوں کی رضاعی اخوت کا تو ذکر اسی سند یعنی حضرت ام حبیبہؓ سے ضرور ہے مگر اس میں قولِ عروہ نہیں موجود ہے۔ وہ خالص امام بخاری کا اضافہ ہے جو امام مسلم کو قبول نہیں۔ لہٰذا امام مسلمؒ کے نزدیک بھی ان کی مولاۃِ ابی لہب ہونے والی روایتِ سیرت مرسل ہی نہیں مشکوک بھی ہے۔ حافظ ابن کثیر اور بعض دوسرے شارحین نے اس فرق کو سمجھا ہے۔ (۲) لیکن کئی متاخرینِ کرام نے قولِ عروہؒ کے اضافہ یا زوائدِ بخاری کو

---

(۱) بخاری، فتح الباری ۹/۶۳۹؛ مولاۃ/موالاۃ اور رشتۂ ولاء پر بحث کے لئے ملاحظہ ہو: ابن ہشام ۱/۲۶۰-۲۶۱ وغیرہ؛ بالخصوص حاشیہ محققین۔ ۴؛ بلاذری اور ابن ہشام و ابن سعد وغیرہ میں فہرست مہاجرین حبشہ و مدینہ اور سابقین اولین۔

(۲) امام نووی، المنہاج، ابوداؤد، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، حدیث: ۲۰۵۶۔

حدیثِ صحیحین کی طرف منسوب کر دیا ہے جسے کم از کم عدم احتیاط کہا جا سکتا ہے۔(۱)

حضرت ثویبہ کا مقام آزاد

بلاشبہ مشہور روایاتِ سیرت میں اور احادیثِ نبوی میں بھی حضرت ثویبہؓ کے مولاۃ ابی لہب ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ دوسری طرف ان کا ذکرِ خیر اس فقرۂ غلامی کے بغیر بھی ملتا ہے۔ ان روایات میں ان کو غلام / باندی نہیں آزاد شخصیت سمجھا گیا ہے۔ امام طبریؒ نے ایک ایسی ہی اہم ترین روایت نقل کی ہے جو امام عروہؓ کی مرسل روایت کے بالمقابل مرفوع و متصل حدیث بن جاتی ہے کہ وہ ایک صحابیہ حضرت برہ بنت ابی تجزاۃؓ سے مروی ہے اور جو یہ بتاتی ہے کہ حضرت ثویبہؓ نے رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کی تھی۔ اس میں باقی تفصیلات تو رضاعاتِ ثلاثہ کی ہیں لیکن اہم ترین بات یہ ہے کہ ان کو مولاۃ ابی لہب نہیں قرار دیا گیا ہے۔ پوری روایت مع سند درج ذیل ہے:

"وأما غير ابن اسحاق، فإنه قال في ذلك ما حدثني به الحارث، قال: حدثنا ابن سعد، قال حدثنا محمد بن عمر قال: حدثني موسىٰ بن شيبة عن عميرة ابنة عبيد الله بن كعب بن مالك عن برة ابنة ابى تجزأة، قالت: أول من أرضع رسول الله ﷺ ثويبة بلبن ابن لها۔ يقال له مسروح۔ أياما قبل أن تقدم حليمة، وكانت قد أرضعت قبله حمزة بن عبدالمطلب، وأرضعت بعده أباسلمة ابن عبدالاسد المخزومي"۔(۲)

روایتی لحاظ سے یہ سند متصل و مرفوع ہے اگر چہ اس میں واقدی اور ابن سعد

(۱) حدیث صحیحین میں "مولاۃ ابی لہب" کہنے والوں میں شامل ہیں: کاندھلوی، سید سلیمان ندوی، حاشیہ بر شبلی؛ ابوالحسن علی ندوی، سیرت رسول اکرم ﷺ۔ ۲۱ حاشیہ: ۳ میں مرتب نے صحیح بخاری کا ناقص حوالہ دیا ہے؛ مسعود احمد صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، ۲۔

(۲) تاریخ طبری، ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ۲/۱۵۷۔۱۵۸۔

کا ذکر بھی ہے لیکن اس کی صحت میں ذرا کلام نہیں۔ اس سند کے شروع کا جملہ بہت اہم ہے کہ یہ روایت ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے سلسلۂ روایت سے ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ ابن اسحاق نے یا ابن ہشام نے حضرت ثویبہؓ کی رضاعت کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اور جس نے ان کے حوالے سے کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ روایت ایک معاصر اور غالباً شاہد عینی صحابیہ حضرت برہ بنت ابی تجزأۃ کی مرفوع حدیث ہے۔ ان کا اصلاً تعلق بنو کندہ کے خاندان بنو تجزأۃ سے تھا اور مکہ مکرمہ میں سکونت کے بعد وہ بنو عبدالدار رقریش کے موالی وحلفاء بن گیا تھا۔ حافظ ابن سید الناس نے بھی اس روایت کو اپنی سند سے بیان کیا ہے اور انھوں نے مولاۃ ابی لہب والی روایت قبول نہیں کی ہے۔ (۱/۴۷۔۴۸) اس لحاظ سے وہ حضرت ثویبہؓ کے بارے میں زیادہ جانتی تھیں۔ دوسرے یہ کہ صحابیہ رصحابی کی روایت کو بہر حال مرسل پر ترجیح ہوتی ہے۔ متاخرین میں مولانا شبلیؒ نے حضرت ثویبہ کو ابولہب کی مولاۃ کہنے سے گریز کیا تھا، لیکن ان کے جامع سید سلیمان ندوی نے قوسین میں اس کا اضافہ کر دیا۔(۱)

حضرت ثویبہ کا سماجی مقام ومرتبہ

مکی سماج میں بالعموم اور خاندانِ قریش میں بالخصوص حضرت ثویبہ کا مقام ومرتبہ گزشتہ مباحث سے از خود متعین ہو جاتا ہے "مولاۃ ابی لھب" کی روایتی اور تنقیدی تحلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رشتۂ ولاء سے ابولہب ہاشمی کی دوسرے موالی کی مانند مولاۃ ہی تھیں۔ وہ ان کی کنیز، باندی اور لونڈی نہ تھیں۔ بخاری، طبری اور دوسرے مورخین اور محققین کے بیانات ومباحث سے ان کی آزاد حیثیت ثابت ہوتی ہے۔ ان کے آزادو "حرۃ" ہونے کی سب سے بڑی شہادت متصل ومرفوع روایات

(۱) اسد الغابہ ۵/۴۰۹؛ ۴۲۱؛ نیز ابن سعد ۸/۳۱۳ جن کی روایت میں ان کا اصل نام نہیں ہے اور جو قیاس پر مبنی ہے؛ شبلی ۱/۱۷۲ حاشیہ ۱: سید صاحب نے بخاری کے باب "یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب" کی بنا پر یہ اضافہ کیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔

میں ان کے غلام نہ ہونے کا ذکر خیر ہے۔ دوسرے تاریخی شواہد اور قرائن بھی ان کے آزاد شخصیت ہونے اور سماجی طور سے بلند و بالا قامت رکھنے کو بتاتے ہیں۔ ان میں شیخ شبلنجی اور نواب صدیق حسن خاں کی روایت کہ وہ اسلمیہ تھیں، یعنی بنو اسلم کی ایک فرد، بھی ان کو ایک آزاد شخصیت ثابت کرتی ہے۔

ایک طویل عرصے تک بلکہ اپنے پورے ایامِ رضاعت میں چھ چھ نونہالانِ قریش کی رضاعت کا واقعہ اہم ترین گواہی ہے۔ بنو ہاشم، بنو مخزوم اور بنو امیہ کے حلیف بنو اسد رخزیمہ کے متعدد نومولودوں کی رضاعت کے لئے ان کا انتخاب ہی ایسی شہادت ہے جو ان کی سماجی قدر و منزلت کو ثابت کرتی ہے۔ انھوں نے ان نونہالوں میں سے بعض کی مستقل رضاعت کی ذمہ داری نبھائی تھی اور بعض کی چند روزہ رضاعت کی تھی۔ یہ عارضی رضاعت کی خدمت ایک طرح سے مستقل خدمت سے زیادہ ان کے اعلیٰ مقام اور ان کی محبوب شخصیت اور ان کی بطور مرضعہ حیثیت کو ثابت کرتی ہے۔

بطور مرضعہ بے مثال حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی بطور مولاۃ ابی لہب بہر حال معلوم ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ثویبہ کو رشتۂ ولا کے بندھن سے بھی نجات ملی۔ یا روایتی فکر کے مطابق غلامی سے آزادی ملی۔ اس نقطۂ زمان سے آخری رضاعتِ ثویبہ تک بقیہ پانچ نونہالانِ قریش کی رضاعت "آزاد وحرہ ثویبہ" نے کی تھی۔ جب ان پر ان کے سرپرست یا آقا ابولہب ہاشمی کا دباؤ بھی نہ تھا وہ ان کی مرضی، پسند اور اکابرِ قریش کے انتخاب کے سبب ہوئی تھی۔ یہ مسلسل انتخابِ حضرت ثویبہؓ ان کے مقامِ بلند کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہے۔ رضاعات کے طویل زمانے کے علاوہ حضرت ثویبہؓ کے خاندانِ نبوت بالخصوص رسول اکرم ﷺ کی ذات والا

صفات سے مسلسل ربط و تعلق، قریشی اکابر سے ان کا سماجی ارتباط اور ان کے رضاعی فرزندوں سے ان کا مہر و محبت آگیں رشتہ بھی ان کا شاہد عدل ہے۔

خاندان نبوت سے سماجی ارتباط

عرب جاہلی اقدار و روایات میں سے ایک خوبصورت اور قابلِ تقلید و فخر قدر و روایت رضاعی ماں سے حسن سلوک و احسان ہے۔ رضاعی فرزند و دختر تا زندگی اپنی رضاعی ماں کو اصلی و حقیقی ماں سے کسی طور کمتر نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی نظر میں وہ مہر و محبت کا بلند تر اور عظیم تر پیکر تھی کیونکہ وہ کسی دوسرے کے لختِ جگر کو اپنا خونِ جگر پلاتی تھی اور غیر بچے کو اپنے حقیقی بچے کے دودھ میں شریک کرتی تھی۔ رضاعی ماں اور اس کے دوسرے رشتہ داروں، عزیزوں اور قربت و قرابت والوں کے ساتھ سرپرستِ خاندان کا تعلق بھی محبت پر مبنی ہوتا تھا۔ دونوں طرف سے باہمی رشتہ صلۂ رحمی، محبت و عقیدت آگیں وابستگی اور احسان و اکرام کے رویے پر ہمیشہ استوار رہتا تھا۔

ایامِ رضاعت کے اختتام اور بچے کی گھر واپسی پر اس کے سرپرست، باپ دادا رضاعی ماں کو اکرام و انعام سے نوازتے، رضاعی مائیں اور ان کے اقرباء کبھی کبھی زیارتِ فرزند و دختر کے لئے آتے تو بچے کے لئے اور ان کے وابستگان کے لئے ہدایا و تحائف لاتے تھے، رضاعی فرزندان کریم اور ان کے وابستگانِ شریف ان کا اعزاز و اکرام کرتے اور ان کی خدمت کرتے اور واپسی پر جنس و نقد سے لاد دیتے۔ یہ سلسلہ تا زندگی طرفین کی طرف سے چلتا اور اس کا احترام بعد کی نسلوں میں بھی جاری رہتا کہ دودھ کے قطرات محبت بن کر رگوں میں دوڑتے رہتے تھے۔ رضاعت اور رضاعی رشتہ کو نسب اور خون کی مانند حرمت و تقدس اور محبت و عقیدت و احترام حاصل تھا اور ہمیشہ حاصل رہا۔ وہ رشتۂ محبت و الفت صرف دو خاندانوں کے درمیان محبت و احترام نہیں پیدا کرتا تھا بلکہ کئی خاندانوں کو مہر و محبت کی چادر میں ڈھانپ لیتا تھا۔ ان ہی

رضاعی رشتہ داریوں نے عرب قبائل کی خون آشام نفرت اور بدوی جنگجوئی کے صحرا میں محبت والفت کے پھول کھلائے تھے۔

رسول اکرم ﷺ تو یوں بھی مکارمِ اخلاق کی تکمیل اور فضائلِ محبت کی توسیع کے لئے مبعوث فرمائے اور برپا کئے گئے تھے۔ آپ ﷺ کی فطرت وخلقت میں روزِ ازل سے حسنِ مروت اور حسنِ اخلاق کے ساتھ حسنِ احسان کا جذبۂ بیکراں کوٹ کوٹ کر بھرا گیا تھا۔ تربیتِ صالحہ اور سماجی اقدارِ براہیمی اور بدوی روایاتِ خیرات ومبرات نے اس میں چار چاند لگادئے تھے اور کرم وجود کو خون میں رواں دواں کردیا تھا۔ بعثت سے قبل ہی رسول اکرم ﷺ عرب جاہلی کی صفات اعلیٰ کے مجموعہ ''مروءۃ'' کے سب سے بڑے پیکر اور علمبردار بن چکے تھے۔ نبوت ورسالت نے ان اقدارِ صالحہ، روایاتِ مرسلہ اور فضائلِ حمیدہ کو اس طرح صیقل کیا کہ آپ ﷺ کو صاحب خلقِ عظیم بنادیا تھا۔

سیرت وتاریخ اور حدیث وسنت کی بہت سی روایات واخبار آپ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی گواہی دیتی ہیں۔ ان میں سے بہت سی رضاعی ماؤں، بھائیوں بہنوں اور دوسرے رضاعی رشتہ داروں اور قرابت والوں سے حسنِ سلوک کی کہانی سناتی ہیں۔ آپ ﷺ تو اپنے وابستگانِ دامانِ دولت کی رضاعی ماؤں اور ان کے رضاعی رشتہ داروں سے احسان ومروت کا درس دیتے تھے اور خود بھی ان کے ساتھ احسان وحسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ اپنی خاص رضاعی ماؤں اور بہنوں بھائیوں اور عزیزوں کے ساتھ وہ خلقِ عظیم کیونکر نہ برتتے۔ حضرت ثویبہؓ اور دوسری رضاعی ماؤں کے ساتھ آپ ﷺ کا حسنِ سلوک تازندگی جاری رہا۔

متعدد اماماِن سیرت وحدیث نے لکھا ہے کہ حضرت ثویبہؓ بعد کی زندگی میں بھی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں برابر آیا کرتی تھیں اور آپ ﷺ ان کے

ساتھ نیکی، صلہ رحمی اور احسان کا سلوک فرماتے تھے۔ ان کا اعزاز و اکرام کرتے اور ان کی ضرورتیں اور حاجات پوری کرتے اور ان کو جنس و نقد سے مالا مال فرمایا کرتے تھے۔ "وکانت ثویبة تاتی النبی ﷺ...... فیبرھا ویکرمھا" یہ مکہ مکرمہ کے زمانے کا واقعہ ہے کیونکہ حضرت ثویبہؓ مکہ کی باسی تھیں اور مستقل رہائش رکھتی تھیں۔ یہ مسلسل تعاملِ خیر کا واقعہ ہے۔(۱)

اگرچہ اس روایت میں یا دوسری روایات میں حضرت ثویبہؓ کے ساتھ ان کے دوسرے رضاعی فرزندوں اور ان کے ولیوں اور سرپرستوں سے حسن سلوک اور معاملہ خیر کا ذکر نہیں ملتا لیکن وہ ایک طے شدہ امر اور مسلمہ حقیقت ہے جس کا انکار کرنا مشکل ہے۔ یہ بلا کہے اور بنا روایت ثابت ہے کہ حضرت ثویبہؓ کے ساتھ بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو مخزوم، بنو اسد خزیم کے اکابر ضرور سلوک کیا کرتے تھے۔ بالخصوص ان خاندانوں کے رضاعی فرزندوں کے والی وسرپرست۔ بنو ہاشم کے سربراہ جناب عبدالمطلب ہاشمی اور ان کے فرزندان گرامی۔ زبیر وابو طالب وابولہب وغیرہ۔ تو ان کے ساتھ حسن سلوک وحسنِ ربط کے پابند تھے۔ ان سے قدیم تعلق ورشتہ کے سبب بھی۔ دراصل مکہ مکرمہ کے ان خاندانوں بالخصوص بنو ہاشم سے ان کا گہرا تعلق رہا تھا اور وہ ایک طویل عرصے تک جاری ساری بھی رہا۔ جس طرح رضاعاتِ ثویبہ کا تسلسل نظر آتا ہے اسی طرح ان خاندان ہائے بزرگ کے تعامل کا تسلسل بھی ایک تاریخی واقعہ بن جاتا ہے۔

خاندانِ نبوت کے دوسرے افراد کی حضرت ثویبہؓ سے جذباتی وابستگی اور خدمت کا ایک ثبوت اور بھی ہے۔ وہ ہے حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدیؓ کی تکریم وخدمتِ حضرت ثویبہؓ، جس کا ایک سے زیادہ تاریخی حوالہ وذکر ملتا ہے۔ امام سہیلیؒ، مورخ بلاذریؒ اور امام حلبیؒ وغیرہ نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ثویبہؓ کے

(۱) بلاذری ۱/۹۵؛ مودودی ۲/۹۶؛ کاندھلوی ۱/۶۹؛ ابن سید الناس ۱/۴۷۔ ۴۸ نیز دوسری کتب سیرت وتاریخ۔

ساتھ حضرت خدیجہؓ کے تعلق کا ذکر کیا ہے۔ ان سب کا مجموعی بیان ہے کہ حضرت خدیجہ بھی حضرت ثویبہؓ کا اعزاز و اکرام کرتی تھیں اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک بھی کرتی تھیں۔ اسی بنا پر انھوں نے ابولہب ہاشمی سے درخواست کی تھی کہ ان کو حضرت خدیجہؓ کے حوالے کر دیں تاکہ ان کو کامل آزادی نصیب ہو جائے"...... وكانت خديجة تكرمها، وهي ملك أبي لهب، وسألته أن يبعها فامتنع"۔ (۱)

حضرت خدیجہ کا حضرت ثویبہؓ سے براہ راست کوئی تعلقِ رضاعت نہیں تھا ہوسکتا ہے کہ سماجی تعلق رہا ہو۔ لیکن ان کے جذبۂ خیر و احسان اور خدمت و صلہ رحمی کو ابھارنے والا عامل یہ واقعہ تھا کہ وہ ان کے محبوب شوہر ﷺ کی رضاعی ماں تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے ذاتی فضل و کمال اور احسان و خیر سے بھی انکار نہیں، کہ وہ بلاشبہ ایک پیکرِ محبت و جود و سخا بجائے خود تھیں۔ مگر رسول اکرم ﷺ سے ان کے مادرانہ تعلق نے اس خاص حسنِ سلوک کو پیدا کیا تھا جو یہاں روایت بن کر ظاہر ہوا ہے۔ ان کا سلوک واحسان بھی ان کی زندگی بھر حضرت ثویبہؓ کے ساتھ جاری رہا جیسا کہ روایات کا درو بست بتاتا ہے۔ تمام دوسرے شواہد اور قرائن بھی یہی ثابت کرتے ہیں کہ پورے مکی دور میں حضرت ثویبہؓ حضرت خدیجہؓ کی خدمات سے مستفید ہوتی رہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مکی دور کے اواخر میں ہجرت سے تین سال قبل حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت تک ہی یہ سلسلہ رہا تھا۔ وہ بھی خاصی طویل مدت ہے اور بقول ابن حجر عسقلانیؒ ایک دہر طویل ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا تعلق خاطر دنیاوی پچیس سال یعنی چوتھائی صدی تک رہا تھا اور اس پورے "دہر طویل" میں حضرت خدیجہؓ نے حضرت ثویبہؓ کے ساتھ کیا کیا احسانات اور خیرات و مبرات کئے تھے۔

---

(۱) سہیلی ۱۹۱/۵ نیز حاشیہ) (نیز بلاذری ۹۶/۱: "...... وتكرمها خديجة، وطلبت خديجة الى أبي لهب أن يبعها إيا ها لتعتقها"؛ حلبی ۸۵/۱؛ مودودی ۹۶/۲؛ کاندھلوی ۶۹/۱؛ ابن سید الناس ۴۷/۱۔۴۸ وغیرہ۔

مدنی دور میں سماجی ارتباط حضرت ثویبہؓ

محسن انسانیت ﷺ کی حیات مبارکہ کا ایک لائقِ فخر پہلو یہ بھی ہے کہ ہجرت کے بعد بھی اپنے وطن سے تعلق رکھا۔ اس کے باشندوں کی فلاح وصلاح کی فکر کی، ان کے دکھ درد میں شرکت کی اور ان کے دینی و دنیاوی کاموں کو بنانے کی ہر سعی کی۔ اپنے غیر مسلم عزیزوں، رشتہ داروں اور دوسرے قرابت والوں کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک کا معاملہ فرمایا کہ صلہ رحمی کا یہی تقاضا تھا۔ ان کے ساتھ ساتھ پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں اور ساتھیوں کا ہر طرح خیال رکھا کہ نبوی ذمہ داری اور اسلامی فرض بھی تھا۔ اسی بابِ رحمت و رأفت کا ایک عنوان حضرت ثویبہؓ سے آپ ﷺ کا مسلسل تعلق و ربط تھا کہ وہ ان کے دودھ کا مطالبہ بھی تھا۔(۱)

روایاتِ سیرت میں بہت وضاحت کے ساتھ آتا ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی آپ ﷺ نے حضرت ثویبہؓ سے ربطِ محبت رکھا۔ ان کی زندگی بھر ان کے لئے مدینہ منورہ سے کپڑے، ہدیے اور نقد و جنس بھیجا کرتے تھے اور یہ سلسلۂ احسان برابر جاری وساری رہا۔ ان ہی روایات کے مطابق مدنی دور کے ساتویں برس یعنی غزوۂ خیبر کے بعد تک (۷/۶۲۹ء تک) نبوی جود وسخا کا دریا بہتا رہا۔ امام سہیلیؒ، مورخ بلاذریؒ، امام حلبیؒ اور متعدد دوسرے قدیم وجدید مورخین اور سیرت نگاروں نے اس نبوی سلوک کی گواہی دی ہے۔(۲)

جیسا کہ روایات واضح کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ حضرت ثویبہؓ کی رضاعت کو ایک احسان اور قرضِ محبت سمجھتے تھے اور اپنے چچا حضرت حمزہؓ اور ممکنہ حد تک

---

(۱) مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو: خاکسار کی کتاب ''مکی اسوۂ نبوی۔ مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل''، باب ہفتم نیز کتب سیرت۔

(۲) سہیلی، ۱/۱۶۴: ''......وکان رسول الله ﷺ یعرف ذاك لثویبة ویصلها من المدینة''۔ نیز ۵/۱۹۲: ''وقد کان رسول الله ﷺ یصل ثویبة من المدینة ویتحفها، لانها کانت أرضعته وأرضعت عمه حمزة......''۔ بلاذری ۱/۹۶: ''......فکان رسول الله ﷺ یبعث الیها بالصلة والکسوة......''؛ اصابہ، کتاب النساء نمبر ۲۱۳؛ نیز مودودی اور کاندھلوی وغیرہ کے مذکورہ حوالے)

دوسرے رضاعی برادروں کے ساتھ ان کے احسان کا صلہ ان کو ادا کرنا چاہتے تھے۔

وفاتِ حضرت ثویبہؓ

رسول اکرم ﷺ کی احسان شناسی اور حضرت ثویبہ اور ان کے خاندان کے ساتھ حسنِ سلوک کے ضمن میں ہی ان کی وفات کا ذکر آتا ہے۔ مورخین اور اہلِ سیر کا تقریباً متفقہ بیان ہے کہ حضرت ثویبہؓ کی وفات کی خبر رسول اکرم ﷺ کو ۷/۶۲۹ میں غزوۂ خیبر سے واپسی پر ملی۔ قرائن کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنی رضاعی ماں کے انتقال کی خبر مدینہ منورہ میں ہی ملی تھی: ''...... حتی بلغه خبر وفاتها، وكانت وفاتها منصرف رسول الله ﷺ من خيبر سنة سبع ......'' اس روایت میں دو چیزیں مضمر ہیں: ایک یہ کہ رسول اکرم ﷺ حضرت ثویبہؓ کے ساتھ حسنِ سلوک واحسان فرماتے تھے اور دوسرے یہ کہ ان کے بارے میں برابر خبر رکھا کرتے تھے۔ تیسری جہت یہ بھی ہے کہ مکی قرابت وقربت والے رسول اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ کے احوال، سیاسی سماجی واقعات اور ہر طرح کے معاملات سے برابر آگاہ کیا کرتے تھے۔ ان میں حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کا نمایاں ذکر آتا ہے۔ ان میں دوسرے مسلم اور غیر مسلم اصحاب بھی شامل تھے۔ مذکورہ بالا روایت بلاذری کی ہے، بعض دوسرے قدیم مورخین واہلِ سیر نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے رضاعی ماں کی وفات کی خبر پا کر ان کے فرزند اور اپنے رضاعی برادر حضرت مسروحؓ کے بارے میں سوال فرمایا، ان کا حال دریافت کیا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ تو اپنی ماں سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ آپ کے دوسرے استفسار پر معلوم ہوا کہ حضرت ثویبہؓ کی کوئی قرابت وقریب وعزیز ہی باقی نہیں رہ گیا: ''......فسأل عن ابنها مسروح، أخيه من الرضاعة، فقيل له: مات قبلها، فقال: هل له قرابة؟ لم يبق له احد'' (۹۶/۱)۔ ان تمام استفسارات

نبوی میں آپ ﷺ کی چھپی ہوئی محبت ورأفت کا عنصر تو تھا، یہ جذبۂ خیر بھی پنہاں تھا کہ اگر ماں نہیں رہیں تو ان کے خاندانوں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کا تعلق باقی اور جاری رہے اور ان کے ساتھ تعلق استوار ہے۔ اس روایت میں اور اس جیسی دوسری روایات میں اگر چہ رسول اکرم ﷺ کے غم واندوہ اور حزن وملال کا ذکرِ صریح نہیں ملتا تاہم یہ واضح طور سے موجود ہے کہ آپ ﷺ کو ان کے جانے کا شدید غم ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی حسرت وملال کا ذکر اور ثبوت دوسری روایات اور ان کے دروبست سے بھی ہوتا ہے۔ بعدِ وفات حضرت ثویبہؓ رسول اکرم ﷺ کی تفتیشِ حال اور جستجوئے خبر کی یہ ایک جہت ہے جو ان روایات سے معلوم ہوتی ہے جو اس کا زمانہ خیبر کے غزوے کے بعد ہی کا تعین کرتی ہیں۔

امام سہیلیؒ وغیرہ دوسرے سیرت نگاروں اور جامعینِ روایات نے حضرت ثویبہؓ اور ان کے فرزند مسروحؓ اور ان کے دوسرے قرابت والوں کے بارے میں استفساراتِ نبوی کا زمانہ فتح مکہ کا بتایا ہے۔ یعنی اس کے تقریباً تین سال بعد سن دس ہجری اور ۶۳۰ء کا: ''......ولما افتتح مكة سأل عنها وعن ابن لها مسروح فأخبر أنهما قدماتا......'' (۱۹۲/۵: حلبی، عسقلانی وغیرہ)

بعض متاخر اہل قلم کو اشکال پیدا ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ تحقیقِ احوال کب فرمائی تھی اور انھوں نے اسے روایات کے تضاد وتصادم پر محمول کر کے ایک زمانے کے استفسار کو صحیح نہیں سمجھا۔ وہ کھینچ تان کر خیبر کے زمانے کی روایتِ حال کو فتحِ مکہ کے زمانے کا واقعہ بتاتے ہیں۔ اس پر بعض علمائے سیرت، محققینِ فن اور ماہرینِ تطبیق نے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ وہ دو زمانوں کے الگ الگ استفسارات نبوی تھے جیسا کہ آنے والی بحث سے ثابت ہوتا ہے۔

حدیث وسنت اور سیرتِ نبوی کی مختلف روایات کے بارے میں یہ رویہ صحیح

نہیں ہے۔ اصولی اور عملی دونوں طرح سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بسا اوقات ایک ہی بات مختلف مواقع اور متعدد مقامات پر فرمایا کرتے تھے تا کہ ذہن نشین ہو جائے۔ تحقیقِ احوال و جستجوئے حالات کا بھی یہی معاملہ ہے۔ حضرت ثویبہؓ اور ان کے خاندان بالخصوص حضرت مسروحؓ سے جو تعلقِ خاطر آپ ﷺ کو رہا تھا اس کا تقاضا تھا اور فطری معاملہ تھا کہ مکہ مکرمہ کی فتح کے موقع پر ان کے اور ان کے خاندان کے بارے میں دوبارہ دریافت فرماتے اور آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ امام حلبیؒ اور دوسرے شارحینِ متون نے وضاحت سے لکھا ہے کہ ان دونوں مواقع۔ خیبر کے بعد ان کی وفات کی خبر سننے کے بعد اور فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ پہونچنے کے بعد۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں دوبارہ استفسار فرمایا اور دوسری بار بھی خبر دینے والوں نے یہی خبر دی۔ ان دونوں مواقع کے واقعات یا روایات میں ان کے بقول کوئی منافاۃ نہیں ہے اور وہ دونوں صحیح ہیں: "حلبی ۱/۸۷: "...... لا منافاة لأنه يجوز أن يكون سؤاله الثاني للتثبت لوصوله محل إقامتهما......"۔ یہ توجیہ بالکل مناسب ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کی جائے سکونت پہونچنے کے بعد ان دونوں کے بارے میں دوبارہ دریافت فرمایا تھا۔ اور یہ فطری بات بھی ہے۔ فتح مکہ کے بعد دوبارہ تحقیقِ حال سے جہاں محبتِ نبوی کا ثبوت ملتا ہے وہاں اس کا عندیہ بھی ملتا ہے کہ حضرت ثویبہؓ کی وفات کے بعد رسول اکرم ﷺ ان کے خاندان اور دوسرے قرابت والوں کے ساتھ وہی صلہ رحمی کرنا چاہتے تھے جو آپ ﷺ کا عمر بھر کا وطیرہ تھا۔

اسلام حضرت ثویبہؓ

روایاتِ سیرت و رجال کے مطابق حضرت ثویبہؓ کے اسلام لانے پر علماء و ماہرین کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام علماء اور مشہور ماہرین ان کے اسلام لانے کے

قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ ان کا ذکرِ خیر اور ان کے فرزند کا ذکرِ عزیز صحابہ میں نہیں کرتے۔ لیکن بعض علماء وسیرت نگاران دونوں کی صحابیت کے بھی قائل ہیں اور ان کے اسلام لانے کے مختلف دلائل و براہین بھی دیتے ہیں۔ جو اہلِ علم ان دونوں کے اسلام نہ لانے کے قائل بتائے جاتے ہیں ان کی صرف ایک دلیل ہے کہ صحابہ وصحابیات میں ان کا شمار نہیں ملتا۔ یہ دلیل منطقی اور روایتی دونوں اعتبار سے بودی ہے، کیونکہ معاجمِ صحابہ اور سوانحِ صحابیات میں صرف چند ہزار کے اسماء گرامی ملتے ہیں، جب کہ یہ حقیقت ہے اور سب کو تسلیم بھی ہے کہ ہزارہا صحابہ کا ذکرِ خیر اور شمارِ اسلام کتابوں کے صفحات واوراق میں بار نہیں پاسکا۔ صرف اہلِ علم کے سینوں اور علمِ الٰہی کے سفینوں میں ہی محفوظ رہ گیا۔ اس دلیل کو تسلیم کرنے کی صورت میں صحابہ کرام کی تعداد بہت کم رہ جائے گی۔(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "فتح الباری" میں اور "اصابہ" میں بھی، حافظ ابن مندہؒ نے "معجم الصحابہ" میں اور حافظ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں اور حافظ ابونعیم اصفہانی نے بھی "معجم الصحابہ" میں اور بعض دوسرے متاخرین سیرت نگاروں نے حضرت ثویبہؓ کے اسلام کی تصدیق کی ہے۔ ان سب نے ان کے اسلام لانے کے بارے میں علماء کے اختلاف یا قدماء کے سکوت کا ذکر ضرور کیا ہے، تاہم ان کے اسلام لانے کی روایات بھی بیان کی ہیں اور ان ہی کو اپنے معاجم میں ترجیح دی ہے۔ مذکورہ بالا چاروں بزرگوں نے اور ان کے بعد کے بعض اہلِ قلم نے یہ ضرور بیان کیا ہے کہ صرف ایک متاخر امام ابن مندہؒ نے ان کے اسلام لانے کو ثابت کر کے ان کا ذکرِ خیر صحابہ میں کیا ہے اور ان سے قبل کے کسی امام کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے ان کا ذکر کیا ہو۔ جاننا اور نہ جاننا دوسری بات ہے اور واقعہ ہونا دوسری

---

(۱) ابن عبدالبر کی الاستیعاب، ابن اثیر کی اسد الغابہ، ابن حجر عسقلانی کی اصابہ اور دوسرے معاجمِ صحابہ کی مجموعی تعداد بیس پچیس ہزار سے زیادہ نہیں۔

بات ہے۔ حضرت ثویبہ اور ان کے فرزند حضرت مسروحؓ کے اسلام لانے پر اختلاف علم بہر حال ہے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ کچھ ان کے اسلام لانے کے قائل ہیں۔

حافظ ابن اثیرؒ نے بہر حال حضرت ثویبہ کو صحابیات میں شمار کیا ہے اور حافظ ابن مندہ اور حافظ ابونعیم کے بیان پر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کی اسلامیت اور صحابیت دونوں کو اپنی دونوں کتابوں میں تسلیم کیا ہے اور دلائلِ حافظ سے اتفاق کیا ہے۔ ان سے زیادہ دلچسپ معاملہ حضرت ابونعیم اصفہانی کا ہے کہ وہ کسی دوسرے کے قائل نہ ہونے کے باوجود حافظ ابن مندہ کا خیال وقول تسلیم کرتے ہیں۔ (۱)

متاخر سیرت نگاروں میں بہر حال امام حلبیؒ ان کے اور ان کے فرزند حضرت مسروحؓ دونوں کے اسلام اور صحابیت کے زبردست قائل ہیں اور ان کے لئے بالخصوص حضرت ثویبہؓ کے لئے وہ رضی اللہ عنہا بڑے اہتمام سے استعمال کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف حضرت ثویبہؓ کے اسلام نہ لانے کے دلائل کی تردید کرتے ہیں بلکہ اپنی طرف سے ان کے اسلام وصحابیت کے دلائل بھی دیتے ہیں۔ انھوں نے بہت

---

(۱) اسد الغابہ ۵/۴۱۲ ”(ع۔ثويبة) مولاة أبي لهب، أرضعت النبي ﷺ، اختلف في إسلامها، أخرجها ابن منده وأبونعيم۔ وقال ابونعيم: لا أعلم أحدا أثبت إسلامها غير المتاخر يعني ابن منده“۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ۹/۱۸۱ نے اختلاف علماء کے بعد حافظ ابن مندہ کے معجم الصحابہ میں ان کے ذکر کا اور حافظ ابونعیم کے تبصرے کا حوالہ ضرور دیا ہے لیکن بحث نہیں کی۔ اصابہ میں بھی یہی طریق انھوں نے اپنایا ہے۔ لیکن حافظ ابن مندہ کے خیال اور فکر اور دلیل سے اعراض نہیں کیا بلکہ ان ہی کے اثبات پر ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ البتہ حافظ ابن مندہؒ کے ذکرِ خیر کو اہمیت دے کر ان کی صحابیت اور اسلام کے بارے میں اپنی رائے ضرور دی ہے اور وہ مثبت ہے۔ یہی بحث مختصر طور سے اصابہ کی کتاب النساء میں حضرت ثویبہؓ کے خاکے نمبر ۲۱۲، ۴/۲۵۰ پر کی ہے۔ حضرت ثویبہؓ کے قبولِ اسلام کو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ متاخرین میں مولانا ادریس کاندھلوی ۱/۶۹ نے فتح الباری کے حوالے سے حافظ ابن مندہ کا خیال نقل کیا ہے مگر حافظ ابونعیم کا قول نقل نہیں کیا۔ سہیلی کے محقق نے طبقات ابن سعد کی روایت کی دلالت کی بنا پر لکھا ہے کہ وہ ان کے عدمِ اسلام کو بتاتی ہے: ”وفي طبقات ابن سعد ما يدل أنها لم تسلم“؛ مولانا مودودی ۲/۹۵-۹۶ نے نہ صرف ان کے اسلام پر خاموشی اختیار کی ہے بلکہ زبان ولہجہ بھی شرافت سے خالی ہے۔ متعدد دوسروں کا یہی حال ہے کہ وہ دلالت ابن سعد پر اعتماد کرتے ہیں مگر صریح بیانات حفاظ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

وضاحت سے کہا ہے کہ طبقات ابن سعد میں جو کچھ آیا ہے اور جو کچھ حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے وہ اس امر پر قطعی دلالت نہیں کرتا کہ حضرت ثویبہؓ اسلام نہیں لائی تھیں۔ یہ محض دلالت واشارت کا معاملہ ہے کسی صراحت کا نہیں۔ دوسرے حافظ ابن مندہؒ نے بہرحال قطعی تصریح کی ہے کہ وہ اسلام لا چکی تھیں اور ان کی اس صراحت وروایت اور قول وبیان کو بہرحال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ امام حلبیؒ سیوطی کی ''خصائص کبریٰ'' سے ایک سند مزید لاتے ہیں کہ ان کے قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کو جس جس مرضعہ نے دودھ پلایا تھا وہ اسلام لا چکی تھیں۔ لیکن مجھے حضرت مسروحؓ کے اسلام لانے کے بارے میں اگرچہ کوئی روایت نہیں مل سکی تاہم ان کا اسلام لانا قطعی امر ہے۔ کیونکہ ان دونوں ماں بیٹے کو اسلام کا زمانہ ملا تھا اور شرفِ خدمتِ نبوی نے ان کو ضرور بہرہ مند کیا تھا۔

امام حلبیؒ نے ان لوگوں کی جوان کے عدمِ اسلام کے قائل ہیں ایک اور دلیل سے کاٹ کی ہے۔ ان دونوں۔ نے اگر اسلام قبول کیا ہوتا تو وہ ہجرت ضرور کرتے، یہ ان کی ایک منطقی دلیل ہے۔ امام موصوف کا فرمانا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اسلام لانے کے باوجود مدینہ کو ہجرت نہیں کی تھی۔ اس کا امکان ہے کہ ان دونوں ماں بیٹے کو کوئی ایسا عذر یا اعذار متعددہ رہے ہوں جنھوں نے ان کو ہجرت کرنے سے روکا اور روکے رکھا۔ اور یہ تاریخ وسیرت سے ثابت ہے کہ متعدد افرادِ مکہ وقریش نے صحیح یا غلط اعذار کی بنا پر ہجرت نہیں کی تھی۔ بعض منکرینِ اسلامِ حضرت ثویبہؓ نے امام سہیلیؒ کے اس بیان سے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فتح مکہ کے دن استفسار کیا تھا یہ نکتہ نکالا ہے کہ وہ ان کے عدمِ اسلام پر دلالت کرتا ہے۔ امام حلبیؒ نے اس کی تردید کی ہے کہ وہ استفسارِ حال اور تحقیقِ احوال کا معاملہ تھا، نہ کہ ان کے عدم اسلام یا انکار اسلام کا۔ بہرحال ان دونوں۔ حضرت ثویبہؓ اور ان کے فرزند حضرت مسروحؓ کو

اسلام کا زمانہ ملا تھا اور وہ دونوں اسلام لے آئے تھے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (حلبی ۱/۸۵-۸۷)

ان روایات، شواہد، دلائل، قرائن اور احوال سے بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ثویبہؓ اور ان کے فرزند حضرت مسروحؓ اسلام لا چکے تھے اور دونوں کا صحابہ میں شمار ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔ ان کے اسلام اور صحابیت کے ثبوت کے لئے اتنے علماءِ رجال اور ماہرینِ سوانح وسیرت کی شہادت کافی ہے۔ پھر ایک اور درایتی اور منطقی توجیہ بھی اسے ثابت کرتی ہے۔ اسلام لانے کی کمزور سے کمزور روایت کو قبول کرنا درایت و منطق اور شرافت کے علاوہ اسلامی اصول سے بھی صحیح معلوم ہوتا ہے جب کہ اسلام نہ قبول کرنے پر اصرار علماء کی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی اور نہ ہی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کو ان کے عدمِ اسلام پر اتنا اصرار کیوں ہے؟ حضرت اسامہ بن زید کلبیؓ کی تلوار کے سائے میں ایک مخالف مقاتل نے کلمۂ شہادت پڑھ دیا تھا رسول اکرم ﷺ نے اسی کو ایمان واسلام کے لئے کافی سمجھا۔ جناب ابوطالب ہاشمی کے وقتِ آخر میں آپ ﷺ صرف ان سے کلمہ پڑھ دینے کی درخواست فرماتے رہے تھے۔ ایسی متعدد مثالیں حدیث وسیرت سے اور ایسے کئی اصول قرآن وسنت سے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا حضرت ثویبہؓ کے اسلام لانے پر بھی اتنا ہی اصرار کرنا چاہئے جتنا ان کے عدمِ اسلام پر کیا جاتا ہے۔

مختصر تجزیہ

حیاتِ طیبہ میں جن محبت کے پیکروں کا عمل دخل رہا ان میں رسول اکرم ﷺ کی اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہؓ بہت اہم ہیں۔ ایک لحاظ سے وہ سرِ فہرستِ حیات اور سرخیلِ امہات ہیں، حالانکہ ان کا مادرانہ کردار اور ان کے دودھ کا تفاعل عارضی تھا۔ تمام ماؤں میں بلاشبہ رسول اکرم ﷺ کی حقیقی ماں حضرت آمنہ

بنت وہب زہری سب سے عظیم وجلیل تھیں کہ نہ صرف حقیقی ماں تھیں بلکہ اول اول انھیں کا دودھ پیکرِ نبوی کی تعمیر وتشکیل اور جسمِ اطہر کی پرورش وپرداخت میں روبعمل رہا تھا۔ان کی رضاعت بھی البتہ عارضی رہی تھی۔اسی عارضی نوعیت کی رضاعت حضرت ثویبہ کی بھی تھی، مگر اس کی اہمیت کا عنوان یہ ہے کہ اس رضاعت کے لئے ان کا انتخاب ہوا تھا اور نہ صرف آپ ﷺ کے لئے بلکہ نونہالانِ قریش میں مزید پانچ چیدہ وچنیدہ فرزندانِ بنی ہاشم ومخزوم وبنی اسد کے لئے بھی بطور مرضعہ ان کا مسلسل ومتصل انتخاب ایک طویل عرصہ کو محیط ہے اور تاریخی توقیت کے لحاظ سے وہ ایک چوتھائی صدی پر حاوی ہے۔

بعض نومولودوں کی رضاعت عارضی ضرور نظر آتی ہے، اور حقیقتاً تھی بھی، مگر اس عارضی کی بھی اپنی ایک خاص اہمیت ہے۔حضرت ثویبہؓ سے رضاعت کا تعلقِ مہر والفت قائم کرنے کے لے سردارانِ قریش اور اکابرِ مکہ کی بے تابی ان کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔اگر مستقل رضاعت نہ سہی تو وقتی طور پر سہی، اور مستقل رضاعت کا باب تو ان کی رضاعی ماں کی جلالت واقبال کو بتاتا ہے۔حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ہاشمی، ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی، عبداللہ بن جحش اسدی خزیمی، ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی اور جعفر بن ابی طالب ہاشمی کی رضاعتِ ثویبہ مستقل نوعیت کی معلوم ہوتی ہے۔ان میں سے کسی ایک دو کی عارضی بھی رہی تھی، جیسا کہ بعض روایات واخبار کا اصرار ہے تو اس سے بھی زیادہ فرق نہیں پڑتا، رضاعتِ حضرت ثویبہؓ کی اہمیت اس سے غالباً دوچند ہی ہوجاتی ہے۔آخر ان کے انتخاب، دتعین کی کیا وجوہ اور بنیادیں تھیں؟ سوائے اس کے کہ وہ مکی سماج میں عظیم ترین مرضعہ (دودھ پلائی) سمجھی جاتی تھیں۔

اس انتخاب وتقرری میں ان کی "مولاۃ ابی لھب ھاشمی" ہونے کا قطعی دخل نہیں تھا۔روایات وشواہد یہی بتاتے ہیں۔حضرت حمزہؓ کے بارے میں اس کا

کوئی حوالہ اور قرینہ نہیں آتا اور نہ ہی حضرت ابوسفیان بن حارثؓ کی رضاعت کے سلسلے میں ملتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے بابِ خاص میں وہ بیان کیا جاتا ہے مگر یہ واقعہ ثابت ہو چکا ہے کہ رضاعتِ نبوی سے قبل وہ "مولاۃ" نہیں رہی تھیں۔ بعد کی رضاعتوں میں وہ ایک آزاد مرضعہ کی حیثیت سے کارفرما نظر آتی ہیں۔ لہٰذا مولاۃ ابی لہب کا ٹھپہ ان پر نہیں لگایا جا سکتا۔ پھر ان کی آزادی کا حوالہ تو ابولہب ہاشمی کے حوالے سے ملتا ہے لیکن ان کی رضاعتِ نبوی میں آقائے حضرت ثویبہ کا کوئی کردار نہیں ملتا۔ دوسری رضاعتوں میں تو اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رضاعت کے اصول و عمل میں یہ طریقہ بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ نومولودوں کی رضاعت کا انتظام پدری خاندان کے ولی اور سربراہ کیا کرتے تھے۔ مادری رشتہ دار نہیں، یہ اسلامی اور عربی تصور ہی نہیں ہے۔

"مولاۃ ابی لہب" کا تصور و بیان صرف ایک قسم کی روایات و خیالات پر مبنی ہے جب کہ دوسری قسم کی روایات اس سے خالی ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؓ کے قول و تعلیقہ میں بلاشبہ ان کے مولاۃ ابی لہب ہونے اور اس سے آزاد کرنے کا خیال پایا جاتا ہے۔ اور حضرت عروہؓ کے اس قولِ مرسل ہی سے مولاۃ کی کہانی دوسرے مآخذِ سیرت میں آئی ہے۔ جو ان کو ہاشمی لونڈی بتانے کا باعث بنی۔ امام بخاریؒ نے اپنی ایک اور "کتاب النفقات" کے "باب المراضع من المواليات وغيرهن" میں اس حدیث و قول کو لا کر اس کی نوعیت اجاگر کر دی ہے۔ شارحین و ماہرین میں سے امام ابن التین وغیرہ نے وضاحت کر دی ہے کہ وہ باندی نہ تھیں بلکہ رشتۂ ولاء سے مولاۃ تھیں۔ اور اس کی تائید دوسرے مآخذ سے ہوتی ہے۔ بالخصوص ان مآخذِ حدیث و سیرت سے جو ان کے "مولاۃ ابی لہب" ہونے کے قول کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں امام مسلم سرِ فہرست ہیں۔ امام طبریؒ کی روایتِ صحابیہ

حضرت برہ بنت ابی تجزأۃ کندی عبدریؓ بھی اس سے خالی ہے اور صحابی کے قول کو بہر حال ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ متاخر محققین میں مولانا شبلیؒ نے بھی اپنے متن میں ان کا صرف نام لیا ہے اور مولاۃ نہیں قرار دیا ہے جو اضافۂ سید سلیمان ندویؒ ہے۔ اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ زبان رسالتمآب ﷺ اور کسی حدیث صحیح سے ان کے مولاۃ ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔ وہ بہر حال آزاد شخصیت ہی تھیں۔ رشتۂ ولاء سے مولاۃ تھیں اور اسی سے ان کی آزادی کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے۔ روایاتِ سیرت میں اسی بنا پر ان کی آزادی کے باب میں اضطراب ملتا ہے۔ ان میں ابولہب ہاشمی کے خواب میں دیکھے جانے اور اس کے تحت تخفیفِ عذاب کا مسئلہ بھی خاصا دلچسپ ہے۔ بلاشبہ یہ وہی کوشش ہے جس کے تحت ایک ہاشمی کو تخفیفِ عذاب کی بشارت دینے کی جدوجہد کی گئی ہے۔ حالانکہ وہ بعثت سے قبل کا واقعہ ہے اور ابوطالب ہاشمی کے معاملہ سے یکسر مختلف۔ ان کی تخفیفِ عذاب کا ذکر نصِ نبوی سے ثابت ہے جو اس باب میں غائب ہے۔ بعض علماء ومحدثین کے مطابق کسی کافر کے حسنِ عمل کا صلہ آخرت میں ملنے کا اثبات صرف نصِ صریح سے ہوتا ہے۔ دوسرے ابولہب ہاشمی نے اگر کچھ حسنِ سلوک کیا تھا تو مطعم بن عدی نوفلی جیسے دوسرے اکابرِ قریش نے اس سے زیادہ بڑا احسان کیا تھا اور وہ بھی رسالتِ نبوی کے بعد، لیکن ان کے بارے میں ایسے کسی صلۂ اخروی کا ذکر نہیں آتا۔ لہٰذا یہ پوری روایت ہی مشتبہ بن جاتی ہے کہ حضرت ثویبہؓ کی آزادی پر صلہ اخروی کے کیا معنی؟

رضاعت کے باب میں ایک تاریخی حقیقت یہ نظر آتی ہے کہ صرف ''شریف زادیوں'' کا انتخاب اس خدمت کے لئے کیا جاتا تھا۔ وہ آزاد و خودمختار اور خاندانی طبقاتِ شرفاء کی خواتین ہوتی تھیں یا خاص پیشہ ور مرضعات جن کا نسب حسب صحیح ہوتا۔ عرب جاہلی معیارِ شرافت اور دستورِ شرفاء کو خواہ اسلامی اور دینی نقطہ نظر سے

کچھ بھی قرار دیا جائے مگر وہ رضاعت کے لئے ہمیشہ ایسی خواتین کا انتخاب کرتے تھے۔ پوری تاریخِ رضاعت میں کوئی ایک ایسی مثال نہیں ملتی، بالخصوص عرب جاہلی معاشرے کے حوالے سے، جب شرفاءِ قریش اور اشرافِ قبائل نے باندیوں اور کنیزوں سے اپنے بچوں بچیوں کی رضاعت کرائی ہو۔(۱)

پرورش و پرداخت کے ضمن میں جاہلی عربوں کا اور اسلامی دور کے شرفاء کا بھی یہی دستور رہا کہ وہ شریف و نجیب دودھ کا انتظام کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا اور بالکل صحیح بھی تھا کہ دودھ کے اثرات خون کی مانند جسمانی اور مزاجی تشکیل کے ساتھ ساتھ فطرت و کردار پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل اور اثر انگیزی کا معاملہ ہے۔ اور قرآن مجید اور احادیث سے اس کے ثبوت ملتے ہیں۔ لہٰذا حضرت ثویبہؓ سے قریشی اکابر اور ہاشمی اشراف اور مکی شیوخ کے رضاعت کرانے کا مسلسل اصرار بھی ان کی بلند سماجی حیثیت، ان کے عظیم کردار اور حسین و جمیل اخلاق کو بتاتا ہے اور ان سب سے زیادہ ان کی شرافتِ نسب ثابت کرتا ہے۔

ان کے "مولاۃ ابی لھب" کی روایت کی ترسیل میں کچھ تو حضرت عروہؓ کے قول و تبصرہ کا حصہ ہے اور اس سے زیادہ اس کا صحیح معنی و مفہوم نہ سمجھنے کا۔ ان کے علاوہ دوسری تاریخی، حدیثی، سیرتی روایات سے آنکھیں بند کر لینے کا بھی، جو ان کو ایک آزاد شخصیت ثابت کرتی ہیں۔ ان میں حدیث اور زبانِ مبارک کی شہادت ہے جو ان کے نام کے ساتھ ان کے مقام کو بھی بتاتی ہے۔ اس ضمن میں یہ ایک دلچسپ اور اہم ترین حقیقت ہے کہ ان کے سوا کسی اور خاتونِ عرب کا نام پورے اسلامی، سیرتی اور سوانحی ادب میں ثویبہ نظر نہیں آتا ہے۔ وہ اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے بھی

---

(۱) عہد نبوی میں رضاعت کے مذکورہ مضمون میں اس کے متعدد اور مستقل شواہد اور ثبوت پیش کئے گئے ہیں۔ امام سہیلی کا ایک تبصرہ مع تائیدِ حدیث ملتا ہے: "والرضاع کالنسب، لانه یغیر الطباع، فی المسند عن عائشةؓ ترفعه: لا تسترضعوا الحمقی فان اللبن یورث..." ۲/۱۶۶-۱۶۷۔

پاکیزگی اور طہارت اور انفرادیت رکھتا ہے۔ تاریخی رواۃ واہلِ قلم کا ایک قصور یہ نظر آتا ہے کہ حضرت ثویبہؓ کے خاندان اور نام ونسب کے بارے میں کسی قسم کی معلومات نہیں فراہم کیں۔ جب کہ معمولی سے معمولی باندی اور کافی فروتر دودھ پلائیوں اور خادماؤں کے نام ونسب اور خاندان کا ذکر مل جاتا ہے۔ صرف ایک نواب صدیق حسن قنوجیؒ نے غالباً ''نورالابصار'' کی معلومات کی بنا پر ان کو اسلمیہ کہا ہے یعنی وہ بنواسلم کی ایک خاتون تھیں۔ (۱)

حضرت ثویبہؓ کی رضاعت کی مکانی جہت یہ ثابت کرتی ہے کہ عرب کے شرفاء کا یہی دستور نہیں تھا کہ وہ رضاعت کے لئے بدوی علاقوں میں ہی بھیجا کرتے تھے۔ وہ شہر اور مکہ ومدینہ وغیرہ میں بھی رضاعت کا انتظام کرتے تھے اور تاریخِ رضاعتِ عہدِ نبوی سے یہ دستور شرفاء بھی ملتا ہے۔ متعدد نونہالانِ عرب کی پرورش وپرداخت اور رضاعت وتربیت شہری علاقوں میں ہوئی تھی اور خوب ہوئی تھی۔ ان کے قطعی اثراتِ بد نہ تھے جیسا کہ حضرت ولید بن عبدالملک اموی کے ایک واقعہ یا روایت کی بنیاد پر تعمیمی انداز سے نتیجہ نکالا گیا ہے۔ سہیلیؒ کی اور کئی وجوہ بھی تاریخی کسوٹی پر کھری نہیں اترتیں۔ متعدد شہری رضاعت سے مستفید افراد ہر لحاظ سے عربیت کے علمبردار تھے۔

زمانی جہت سے اور تاریخی توقیت میں حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ اکابر کا عرصہ غالباً طویل ترین اور مسلسل ہے۔ ایسی کوئی اور مرضعہ گرامی نظر نہیں آتیں جنھوں نے اتنے عرصہ تک اور اتنے زیادہ نونہالانِ قریش کی رضاعت اتنے تسلسل کے ساتھ کی ہو، یہ پوری مسلسل مدتِ رضاعت قریب قریب ایک چوتھائی صدی کو محیط ہے یعنی ۵۶۷ء۔۵۶۸ء سے لے کر ۵۹۱ء کے زمانے تک۔ قریش کے قبیلہ بالخصوص ان کے

(۱) ۱۳؛ شبلنجی، نورالابصار، مطبعہ میمنیہ، مصر، ۹: یہ دونوں بہرحال متاخر مآخذ ہیں اور ان کا اصل قدیم ماخذ ضرور ہے جس کی تحقیق ابھی باقی ہے۔

رضاعت والے خاندانوں سے حضرت ثویبہؓ کا تعلقِ خاطر ایک عمر کو محیط ہے۔ حضرت حمزہؓ کے زمانے سے حضرت ثویبہؓ کی وفات تک خاندانِ نبوت سے اور رسول اکرم ﷺ سے خاص کر یہ تعلق پینسٹھ برس پر محیط ہے۔ ان میں سے ساٹھ برس کا ارتباطِ محبت وعقیدت رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت ثویبہؓ کی وفات ۷/۶۲۹ میں ہوئی تو رسولِ آخر الزماں اور رحمتِ عالمیان ﷺ پورے ساٹھ برس کے ہو چکے تھے۔ اس پورے طویل عرصے میں رسول اکرم ﷺ نے ان کے رضاعی احسان کو یاد رکھا اور پورے تیرہ سالہ نبوی مکی دور میں اور اس سے قبل بعثت کے چالیس سالہ زمانے میں یعنی کل ترپن برس تک ان کی خدمت کی، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، ان کا اعزاز واکرام کیا، ان کی زیارتیں کیں اور جب وہ زیارات کے لئے آتیں تو آپ ﷺ ان کے لئے بچھ بچھ جاتے تھے۔ اور نہ صرف آپ ﷺ بلکہ آپ ﷺ کے خاندان والے بالخصوص ام المومنین حضرت خدیجہ بھی ان کا اعزاز واکرام اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کرتی رہیں۔ ظاہر ہے کہ دوسرے رضاعی فرزندوں اور ان کے دالیوں، سرپرستوں اور عزیزوں نے بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا تھا کہ وہ رضاعی ماں کا حق تھا اور عربوں کے خون میں جذبۂ احسان شناسی بن کر دوڑتا رہتا تھا۔

رأفت ورحمت اور اخلاقِ نبوی کا اظہارِ صلہ رحمی اور اعترافِ احسان شناسی ہجرت کے بعد بھی جاری رہا اور مدینہ منورہ سے ان کے لئے ہدایا وتحائف اور نفقات کا سلسلہ جاری رہا۔ بس چلتا تو وہ دریائے رحمت ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہتا لیکن ان کا خاندان ہی مٹ گیا جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ خاندان ثویبہ فنا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، احسان نبوی سے فیضیاب ہونے والے ہاتھ سامنے نہیں آئے۔

حضرت ثویبہ اور ان کے فرزند حضرت مسروحؓ کے اسلام لانے کے بارے

میں بلاشبہ اختلافِ علماء ملتا ہے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی صحابیت کے بارے میں اختلافِ فکر ونظر پیدا ہوا۔ لیکن ایسا اختلاف اہلِ علم تو بہت سے اکابر کے بارے میں بھی ہے۔ یہ اختلاف یا قدیم سوانح نگاروں کا عدمِ ذکر، ان کے اسلام اور ان کی صحابیت کی تردید کرنے کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ بہر حال ان ہی ماہرینِ رجال وصحابہ میں ایک حافظ ابن مندہؒ نے ان کو مسلم بھی مانا اور صحابیہ بھی اور اپنے معجمِ صحابہ میں ان کا ذکر خیر بھی کیا ہے۔ حافظ ابن مندہؒ سے اتفاق کرتے ہوئے ایک اور امامِ سوانح ابن اثیرؒ اور ان سے قبل ایک اور حافظِ حدیث ابونعیمؒ نے بھی ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا رجحان بھی ان کی صحابیت واسلام کو تسلیم کرنے کی طرف ہے کہ وہ حافظ ابن مندہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ متاخرین میں امام حلبیؒ نے تو ان کی صحابیت اور اسلام کی پرزور وکالت کی ہے اور متعدد دلائل دے کر ان کو ثابت کیا ہے۔ ان میں امام سیوطیؒ کی بالواسطہ شہادت بھی شامل ہے۔ تلاش وجستجو سے اور بہت سے امامانِ سیرت کی سند مل سکتی ہے۔ اتنے علماء اور ماہرین کی تائیدی آراء اور اقوال ان کی صحابیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اب رہی متاخرین کی تائید وتقریر اور متقدمین کی خاموشی اور عدمِ آگاہی کی بات تو ضروری نہیں کہ متقدمین نے جن کو صحابہ میں شمار نہیں کیا صرف اس بنا پر ان کی صحابیت سے انکار کر دیا جائے۔ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو معلوم تعدادِ صحابہ صرف چند ہزار تک محدود رہ جاتی ہے، جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ان سے کہیں زیادہ ان کی تعداد تھی لیکن تاریخ وسوانح کے ماہرین اپنے قصورِ علم واطلاع کے سبب ان کا پتہ نہیں لگا سکے اور چند پر تکیہ کر کے رہ گئے۔ ایک دلچسپ اور انفرادی مثال حضرت مروان بن حکم امویؒ کی ہے۔ ان کو عظیم ترین اہلِ قلم نے تابعی تسلیم کیا ہے اور ان کی روایات کو مرسل بتایا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے یہی موقف اختیار کیا ہے لیکن جب وہ صحابہ کرام کی مرویات کا باب باندھتے ہیں تو ان میں حضرت

مروانؓ کو صحابی قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ نے تو ان کی صحابیت پر اکثر کے اجماع کی بات کہی ہے۔ علم و فہم اور فقہ و حکمت متاخرین کو بھی عطا ہوئی ہے۔ بہر حال حضرت ثویبہؓ کے اسلام اور صحابیت کے باب میں امام حلبی کا قولِ فیصل یہ ملتا ہے کہ ان کو اسلام اور عہدِ نبوی کا بیشتر زمانہ ملا تھا اور وہ رسول اکرم ﷺ کی اولین رضاعی ماں تھیں اور ان دونوں اعتبارات سے وہ صاحبِ ایمان تھیں اور شرفِ صحابیت سے سرفراز۔ ان تمام امتیازات کے ساتھ ان کا عالی نسب و نسبت ہونا اور عظیم کردار کا حامل ہونا بھی قطعی امر ہے جیسا کہ ان کا نام نامی بتاتا ہے۔

حضرت ثویبہ کا اسم گرامی ۔ معنی و مفہوم

رسول اکرم ﷺ کی اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہ اسلمیہؓ کا اسم گرامی بے مثال و بے نظیر ہے۔ عرب تراجم اور سیرت و تاریخ میں ان کے نام کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ خاصی حیرت انگیز اور اہم حقیقت ہے۔ اس سے زیادہ حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ حضرت ثویبہؓ کے بعد بھی پوری اسلامی کلاسیکی تاریخ میں یہ نام کسی کا نہیں ملتا۔ یہ موضوع بھی تحقیق طلب ہے اور محققینِ سیرت و تاریخ کی توجہ چاہتا ہے۔ دوسرا اہم معاملہ یہ ہے کہ اس اسمِ گرامی کے معنی کیا ہیں؟ شارحینِ حدیث اور امامانِ سیرت نے اس موضوع پر کوئی خاص تحقیق کی ہے، نہ اس کا معنی و مفہوم واضح کیا ہے۔

حدیثِ بخاری: ۵۱۰۱ اور اس کے چار اطراف: ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۱۲۳ اور ۵۳۷۲ میں سے چار احادیثِ نبوی میں حضرت ثویبہؓ کا ذکرِ خیر زبانِ رسالتمآب ﷺ سے واضح طور سے ملتا ہے۔ صرف ایک طرفِ حدیث: ۵۱۲۳ میں ان کے اسم گرامی کا ذکر نہیں البتہ ان کی رضاعتِ نبوی کا مضمر حوالہ دیا گیا ہے۔ شارحِ گرامی حافظ ابن حجرؒ نے اولین و اصل حدیث: ۵۱۰۱ میں جو تشریح کی ہے اس کے چند نکات ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ قولہ: (ثويبه) بمثلثة وموحدة مصغر، كانت مولاة لأبى لهب بن عبدالمطلب عم النبى ﷺ كما سياتى فى الحديث۔

یعنی فرمانِ نبوی کا ذکر کردہ لفظ ثویبہؓ ث اور ہ کے ساتھ تصغیر کا اسم ہے، وہ رسول اکرم ﷺ کے چچا ابولہب بن عبدالمطلب کی مولاۃ تھیں، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

۲۔ قولہ (وثويبة مولاة لأبى لهب) کی شرح میں حافظ موصوف نے ان کا اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ سے ان کے بعد کے سماجی روابط کا ذکر ہے، جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۳۔ اسی طرح بعد کے دو مزید نکات وتشریحات میں ان کی رضاعت سے قبل یا بعدِ رضاعت سے بحث مختصر ہے۔ اور اس رضاعتِ ثویبہؓ کے ثواب واجر میں ابولہب کی دوشنبہ دوشنبہ کو اخروی راحت کا بیان ہے۔

۴۔ باقی اطرافِ حدیث میں حضرت ثویبہؓ سے متعلق کوئی تشریح نہیں ہے، سوائے آخری طرف کے جس میں ان کے عتق/آزادی اور مولاۃ ہونے کی تشریح ہے مگر ان کے نام نامی کے معنی ومفہوم پر کوئی بحث نہیں ہے۔

محدثینِ کرام اور شارحینِ عظام کی حضرت ثویبہؓ کے اسمِ گرامی کے معنی ومفہوم کے متعلق خاموشی نے بعد کے اہلِ علم اور ان سے زیادہ ہم کم علموں کے لئے مشکل کھڑی کردی اور اس مشکل کے حل کی تلاش نے قیاس کا دروازہ کھول دیا۔ اسی تلاشِ حقیقت نے لغات کی طرف متوجہ کیا اور بالآخر لسان العرب میں اس کا ایک معقول حل نظر آگیا۔ اس تحقیق کی تاخیر کی وجہ یہ بھی ہے اور ہوسکتی ہے کہ بالعموم متلاشیانِ حق نے "ثوب" کے مادے میں اسے تلاش کیا ہوگا کیونکہ بظاہر وہ اس کی تصغیر کا مونث نظر آتا ہے۔ ثوب سے ثویب اور اس کی تانیث: ثويبة۔

اصلاً وہ "الثبة" سے ہے جس کا معنی لوگوں کی جماعت بتاتے ہیں اور ثبۃ کی

جمع ثبتی ہے۔ پھر ابن منظور نے اس کی اصل میں اہلِ لغت کے اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ بعض کے نزدیک وہ تاب کے معنی میں ہے یعنی لوٹنے اور رجوع کے معنی میں۔ اور اس کی اصل "توبة" ہے۔ جب الثاء کو ضمہ لگایا گیا تو واو کو حذف کر دیا گیا اور وہ "ثُبة" بن گیا۔ اور اسی کی تصغیر "ثويبة" ہے۔ اسی سے "ثبة الحوض" کی ترکیب اخذ کی گئی ہے جس کے معنی ہیں حوض کا درمیان/ وسط کا حصہ جس میں باقی پانی لوٹ آتا ہے/ جمع ہو جاتا ہے۔

• امام ابن منظور نے اس کے بعد آیت قرآنی: ﴿فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُوا جَمِيعاً﴾ (النساء:۷۱) (پھر کوچ کرو جدا جدا فوج یا سب اکٹھے۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ) بطور استشہاد نقل کر کے اس کے معانی کے بارے میں اقوالِ علماء نقل کئے ہیں۔ روایت ہے کہ محمد بن سلام نے حضرت یونسؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب میں فرمایا: "ثُبة وثبات" یعنی فرقہ فرقہ یا فرقوں میں۔ شاعر زہیر کا ایک شعر نقل کیا ہے جس کے اولین مصرعہ میں زیر بحث لفظ آیا ہے:

وقد أغدو علىٰ ثُبة كرام نشاوی واجدين لما نشاء

کچھ دوسرے اقوال کے بعد پھر لکھا ہے کہ دوسروں کے مطابق "الثبة" اسماء ناقصہ میں سے ہے۔ وہ اصل میں "ثُبَيَة" ہے۔ اس قول میں لام الفعل ساقط ہوگا جب کہ قول اول میں عین الفعل ساقط ہوگا۔ جن اہل علم نے "ثبية" کو اصل قرار دیا ہے وہ آدمی کی تعریف و تحسین سے ماخوذ ہوگا جو اس کی زندگی میں کی جائے اور اس کی تاویل ہوگی: اس کے تمام محاسن۔ بہرحال "الثبة" کے معنی ہیں: جماعت اور ثاب القوم کا مفہوم ہے لوگ متواتر آئے وہ واحد کے لئے نہیں کہا جاتا۔

خاکسار راقم کی تعبیر و تشریح میں کوئی نقص یا غلطی راہ پا گئی ہو اس کے تدارک کے لئے اصل عبارت نقل ہے "والثبة: الجماعة من الناس، ومن هذا۔ وتجمع

ثبة ثبيّ- وقد اختلف أهل اللغة فى أصلها: فقال بعضهم: شى مّن ثاب اى عاد ورجع، وكان أصلها ثوبة فلما ضمت الثاء حذفت الواو. وتصغيرها ثويبة- ومن هذا اخذ ثبة الحوض وهو وسطه الذى يثوب إليه بقية الماء- وقوله عزوجل ﴿فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُوا جَمِيعًا﴾ وروى أن محمد بن سلام سأل يونس عن قوله عزوجل: فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُوا جَمِيعًا قال: ثبة وثبات أى فرقة وفرق- وقال زهير:

وقد أغدو علىٰ ثبة كرام نشاوى واجدين لما نشاء

...... وقال آخرون: الثبة من الاسماء الناقصة وهو فى الاصل: ثُبَيَةٌ- فالساقط لام الفعل فى هذا القول، وأما فى القول الأول فالساقط عين الفعل- ومن جعل الأصل ثبية فهو من تثبيت على الرجل إذا أثنيت عليه فى حياته، وتاويله جميع محاسنه، وإنما الثبة الجماعة، وثاب القوم: أتوا متواترين، ولا يقال للواحد" (۱)

امام لغت نے حضرت ثویبہ کا حوالہ اس ضمن میں نہیں دیا جو بہت حیرت انگیز ہے ورنہ وہ کلام نبوی اور تاریخی اسماء کا ذکر ضرور کرتے ہیں

اس مفصل لغوی تحقیق سے حضرت ثویبہؓ کے اسم گرامی کے بارے میں بعض وضاحتیں کی جاسکتی ہیں اور اس کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم کی تعیین بھی کسی قدر کی جاسکتی ہے- خاکسار کی توجیہات بشکلِ نکات درج ذیل ہیں:

ا- لغت سے بہر حال ثویبہ ایک اسم ثابت ہوتا، خواہ وہ اسماء کاملہ میں سے ہو اپنی اصل ثوبة کی بنا پر، یا اسماء ناقصہ میں سے ہو اپنی اصل مختلف ثبية کی بنا پر- بہر حال وہ ان دو میں سے کسی کی تصغیر ہے-

(۱) ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت، ۱۹۵۵ء، ۱/۱۴۲: مادہ ثبۃ-

۲۔ دو اصلوں کے سبب اس نام کے معنی مختلف ہوں گے۔

- اصل اول کے مطابق معنی ہوں گے: حوض کا وہ چھوٹا وسطی حصہ جس میں باقی پانی لوٹ آتا ہے۔

- اصل دوم کے مطابق معنی ہوں گے: تمام محاسن کی حامل خاتون مکرم۔

- اس کے بلکہ دونوں کا ہم معنی مفہوم یہ ہوگا کہ وہ چھوٹا سا وسطِ حوض جس کے پاس لوگ متواتر آتے ہیں۔

ان تمام لغوی معانی کا اطلاق حضرت ثویبہؓ پر کیا جا سکتا ہے اور شاید کیا بھی گیا تھا جس کی بنا پر ان کا یہ نام نامی پڑا۔ وہ رضاعت کے دودھ کا ایسا چھوٹا حوض تھیں جس کے پاس لوگ متواتر آتے تھے جیسا کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ اولین رضائی فرزندِ حضرت ثویبہؓ سے لے کر آخری فرزندِ رضائی حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمیؓ تک اکابرِ قریش و بنو ہاشم کے عظیم ترین فرزندانِ کرام متواتر ان کی رضاعت کے دودھ سے فیضیاب ہوتے رہے۔ اس طرح حضرت ثویبہ کی ذاتِ گرامی فیضیابی کا حوض ہی نہیں بلکہ اس کا آخری حصۂ قلب تھا جہاں تمام دودھ جمع رہتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے وہ تمام محاسنِ ستودہ و خصائل حمیدہ کی پیکر تھیں اور ان کی حیاتِ بابرکات میں ان کی تعریف و تحسین کی گئی تھی، وہ اگر ایسی ہی پیکرِ جملہ محاسن نہ ہوتیں تو ان کے اتنے رضائی فرزند نہ ہوتے اور ایسے ایسے فرزند کہ تمام عمر ان کی تحسین کرتے رہے۔ لہٰذا ''ثویبہ'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی و مفہوم ہے: ''فیض کا مرکزِ جامع اور جملہ محاسن کا پیکر'' اور حضرت ثویبہؓ سچ مچ ایسی ہی تھیں۔

☆☆☆

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

رسول اکرم ﷺ کی اصل رضاعی ماں

رضاعتِ نبوی کی اولیت کا شرف بھلے ہی حضرت آمنہ اور حضرت ثویبہ کو ملا ہو لیکن مستقل رضاعت کا سہرا حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے سر بندھتا ہے۔ بلاشبہ ان کی ذات والا صفات ہی رسول اکرم ﷺ کی اصل رضاعی ماں کا درجہ رکھتی ہے۔ سیرت وتاریخ اور حدیث کی متعدد روایات ان کے اس شرفِ عظیم کی شاہد عدل ہیں اور خود زبانِ رسالت مآب ﷺ اس کی اقراری ہے۔ ان ہی روایات واحادیث اور شہادات کی بنا پر حضرت حلیمہ سعدیہ کی شخصیت، کارگزاری اور کارفرمائی تاریخ کی کامل روشنی میں نظر آتی ہے۔ قدیم سیرت نگاروں اور بنیادی راویوں نے ان کی شخصیت اور ان کے کارنامے کے بارے میں کافی تفصیلات بہم پہونچانے کی بلیغ مساعی کی ہیں۔ موازنے سے یہ دلچسپ حقیقت بھی اجاگر ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہؓ کے بارے میں رواۃ نے دلچسپی نہیں لی اور معلومات، انتہائی ضروری معلومات، کی طرف سے آنکھیں موندلیں، لہٰذا ان کی شخصیت اور کارنامے کی نوعیت اوجھل ہی رہ گئی۔

دوسری طرف ایک اور روایتی حقیقت بھی اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ بلاشبہ رواۃ سیرت وتاریخ نے، بالخصوص امام ابن اسحاق جیسے رجحان ساز سیرت نگار نے حضرت ثویبہؓ کی شخصیت وکام کو اجاگر کرنے سے پہلوتہی کی، لیکن حدیث کی روایات نے ان کے نام وکام دونوں کو بے مثال افتخار عطا کر دیا۔ ان کا اسم گرامی اور رضاعت کا کارنامہ جس طرح زبان رسالتمآب ﷺ سے جریدۂ عالم پر ثبت ہوا اس طرح

حضرت حلیمہ سعدیہ کا مستقل نام و کام صفحاتِ حدیث و اوراقِ سنت میں مسور ہو کر روایتِ معراج کو کسی طرح نہیں چھو سکا۔ کیا راویانِ سیرت اور امامانِ تاریخ کی حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی شخصیت و کارنامے کی طرف ضرورت سے زیادہ توجہ اس کی بنیاد تھی؟ امام ابن اسحاقؒ اور ان کی پیروی اور متابعت میں چلنے والے دوسرے راویانِ تاریخ اور مولفینِ سیرت نے حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعت کو اتنا اجاگر کیا کہ دوسری رضاعی مائیں بالعموم اور حضرت ثویبہ سی اولین رضاعی ماں پردۂ خفا میں چلی گئیں۔ اس کی اصل وجہ تحقیق طلب ہے۔ بہر حال حضرت حلیمہ سعدیہ کی ذات و صفات اور ان کے نام و نسب، رضاعت اور نبوی حیاتِ طیبہ ان کے کردار کی ایک الگ شان ہے۔

تلاشِ مرضعات

دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول عام الفیل / ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو رسول اکرم ﷺ کی ولادتِ مبارکہ ہوئی، جمہور علماء کے مطابق کم از کم تمام روایاتِ سیرت کا اجماع ہے کہ ظہورِ قدسی ﷺ کے معاً بعد دودھ پلائیوں (مرضعات) کی تلاش شروع ہوگئی۔ امامِ سیرت ابن اسحاقؒ کی یہ روایت مجہول بھی ہے اور ان کے اپنے قاعدۂ تضعیف و جرح کے مطابق خاصی ضعیف و سقیم بھی ہے کیونکہ اس کا بیان ''فیزعمون'' (لہٰذا ان کا خیال ہے) سے شروع ہوتی ہے اور وہ ایک روایت کے واقعات کا آخری سلسلہ ہے۔ اس کا سادہ سا ترجمہ ہے کہ راویوں کا خیال رزعم ہے کہ عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو لیا اور آپ سمیت کعبہ میں داخل ہوئے اور کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کرنے لگے اور جو کچھ اس نے عطا فرمایا ہے اس کے لئے اس کا شکر ادا کرتے رہے۔ پھر آپ کے ساتھ وہاں سے نکل کر آپ ﷺ کی ماں کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو ان کے حوالے کر دیا۔ اور رسول اکرم ﷺ کے لئے دودھ پلائیوں کی تلاش و جستجو شروع کر دی: ''فیزعمون أن عبدالمطلب أخذه، فدخل به الكعبة،

فقام يدعو الله، ويشكر له ما أعطاه، ثم خرج به إلى أمه، فدفعه إليها، والتمس لرسول الله ﷺ الرضعاء" ابن ہشامؒ نے الرضعاء کے معنی المراضع لئے ہیں اور سورۂ قصص ۱۲ سے اسے مدلل کیا ہے۔ شارح ابن ہشام امام سہیلیؒ نے دونوں اماموں کے بیانات نقل کر کے اپنی شرحِ حدیث الرضاع میں لفظ "الرضعاء" کی تحقیق وتشریح کی ہے۔ ان کی توجیہ یہ ہے کہ الرضعاء تو اصلاً رضیع کی جمع ہے جس کے معنی ہیں رضاعت والے بچے، لیکن روایتِ ابن اسحاق کے مخرج کی دو وجوہ ہیں ایک مضاف کا حذف ہے گویا کہ انھوں نے یہ کہا: ذوات الرضعاء (دودھ/رضاعت والے بچوں کی دودھ پلائیاں) دوسری وجہ یہ ہے کہ رضعاء سے حقیقتِ لفظ کے مطابق بچے (الاطفال) ہی مراد ہیں۔ اس لئے کہ جب ان کے لئے کوئی مرضعہ پائی جاتی ہے جو ان کو دودھ پلاتی تو اس کے لئے ایک رضیع (دودھ پیتا بچہ) بھی پا لیتے ہیں جو اس کے ساتھ رضاعت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے لئے ایک رضیع (دودھ پیتا بچہ) تلاش کیا گیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ دودھ پیتا بچہ ہوگا تو اس کو ایک دودھ پلانے والی بھی ضرور ہوگی: "...... التمسوا له رضيعا، علما بأن الرضيع لا بد له من مرضع" کم وبیش یہی بات تمام دوسرے سیرت نگاروں نے اپنے اپنے انداز سے کہی ہے۔ (۱)

تلاشِ مرضعات کی وجہ

امام ابن اسحاق/ابن ہشام اور ان کے پیروکاروں اور دیگر قدیم سیرت نگاروں کی روایات میں تلاشِ مرضعات کی وجہ نہیں بیان کی گئی ہے۔ امام سہیلیؒ نے البتہ ان کی وجوہ سے اپنی خاص فصل میں بحث کی ہے جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے۔ ان وجوہ کی تنقیح وتحلیل سے اولین وجہ کا تعلق براہِ راست مراضع/مرضعات کی تلاش سے

(۱) ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۶۰؛ سہیلی ۲/۱۴۳ اور ۱۶۳؛ طبری ۲/۱۵۷ اور ما بعد: فالتمس له الرضعاء...... الخ؛ بلاذری ۱/۹۲: التمس له الرضاع۔

ہے اور باقی کا اعراب میں رضاعت سے۔ اور اولین وجہ یہ ہے کہ عورتوں / بیویوں کو شوہروں کے لئے فارغ کرلیا جائے تاکہ ان بچوں کی رضاعت اور دیکھ بھال سے وہ آزاد ہوجائیں: ''تفريغ النساء إلى الأزواج '' یہ ایک سماجی اور منطقی وجہ ہوسکتی ہے مگر فطری نہیں، کیونکہ ماں کا دودھ بچے کے لئے بہترین غذا ہوتا ہے اور نوخیز بچے کو ماں سے دور کرنا بھی رحمت ورأفت اور مادرانہ شفقت سے بعید نظر آتا ہے۔ اور دوسرے کا دودھ پلانا بھی عجیب سا لگتا ہے۔(۱)

گھوم پھر کر بہرحال اس سماجی اور جاہلی روایت کی بات آجاتی ہے جس کے تحت بچوں کی رضاعتِ غیر کرائی جاتی تھی۔ عہد جاہلی اور عہدِ نبوی میں بہرحال یہ ایک مسلمہ روایت اور سماجی طریقت تھی کہ مائیں یا سرپرست چندروزہ رضاعت کے بعد اپنے بچوں کو رضاعت کے لئے پیشہ ور مرضعات / دودھ پلائیوں کے سپرد کردیتے تھے۔ یہ ایک ایسی رسمِ معاشرت تھی جس کی گرفت میں سب تھے۔ حتیٰ کہ بچیوں اور لڑکیوں کی رضاعت کے لئے رضاعی ماؤں کے سپرد کردیا جاتا تھا اور ان کو وطن میں یا وطن سے باہر گھر بدر کردیا جاتا تھا۔ امہات المومنین میں کئی۔ حضرت عائشہ۔ حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھن ۔ کی خارجی رضاعتوں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ ان میں شہری اور بدوی دونوں طرح کی رضاعتیں شامل تھیں۔ بدوی رضاعتوں پر زور اس بنا پر زیادہ دیا گیا کہ وہاں کی آب وہوا صاف وشفاف ہوتی تھی اور بدویت عربیت کے ہم معنی بن گئی تھی۔ زبان عربی کی فصاحت وبلاغت کا بدوی معیار زیادہ اونچا سمجھا جاتا تھا۔ صحت وجسمانی قوت بھی ان سے آتی تھی۔ لیکن یہ سب اضافی

---

(۱) سہیلی ۲/۱۶۷؛ رسول اکرم ﷺ کے معاملہ میں تو یہ توجیہ قطعی بودی ہے کیونکہ والدہ ماجدہ بیوہ تھیں اور والد ماجد کافی پہلے مرحوم ہوچکے تھے۔ اہل سیر کا اتفاق واجماع ہے کہ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی وفات ولادتِ نبوی سے دو ماہ قبل ہوچکی تھی۔ لہٰذا شوہر کے لئے بیوی کو فارغ کرنے کی بات بالکل صحیح نہیں ہے، کم از کم رسول اکرم ﷺ کے معاملۂ رضاعت میں اور دوسرے رضاعی معاملات وواقعات میں بھی وہ صرف ایک توجیہ ہی ہے۔

تھیں۔شہری رضاعتوں میں بھی یہ تمام فوائد حاصل ہوتے تھے جن کے ثبوت ہیں۔(۱)

حلیمہ سعدیہ کا انتخاب

سیرتِ امام ابن اسحاق کے منظر نامے میں حضرت حلیمہ سعدیہ کا بطور مرضعہ نبوی انتخاب تلاشِ مرضعات کے ضمن میں آتا ہے۔ابن اسحاق کا بلاسند بیان ہے کہ آپ ﷺ کے لئے بنو سعد بن بکر کی ایک عورت کو رضاعت کی خاطر منتخب کیا گیا جن کا نام تھا۔حلیمہ بنت ابی ذویب"......قال ابن اسحاق : فاسترضع له امرأة من بن سعد بن بكر، يقال لها: حليمة ابنة أبى ذويب "امام سہیلی اور دوسرے شارحین ومؤلفینِ کرام نے ابن اسحاق کے اس بیان کو نقل کردیا ہے مگر اس کی تشریح وتفسیر کسی نے نہیں کی۔(۲)

حضرت حلیمہ سعدیہ کے مفصل بیان کا سب سے اہم نکتہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ درِیتیم ﷺ کا انتخاب مجبوری کا تھا۔ان کے بیان کے اس حصہ سے بعض دلچسپ حقائق سامنے آتے ہیں جو رضعاء، مرضعات، عرب روایاتِ رضاعت وغیرہ کو اجاگر کرتے ہیں۔ وہ بنو سعد بن بکر کی چند عورتوں کے ساتھ رضاعت والے بچوں (الرضعاء) کی تلاش میں اپنے شہر سے اپنے شوہر اور دودھ پیتے بچے کے ساتھ نکلیں اور مکہ پہونچیں۔مکہ میں تلاشِ رضعاء ان سب کا مقصود تھا۔تمام سعدی مرضعات میں سے ہر ایک پر رسول اکرم ﷺ کو رضاعت کے لئے پیش کیا گیا مگر جیسے ہی اسے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں وہ دامن کش ہوجاتی، کیونکہ ان سب کو یہ توقع تھی کہ

---

(۱) سہیلی ۲/۱۶۷ وما بعد، عہدِ نبوی میں رضاعت مذکورہ مضمون خاکسار؛ حلبی ۱/۸۹ نے اس کو وضاحت سے یوں لکھا ہے:"لأنه كان من شيم العرب وأخلاقهم إذا ولد لهم ولد يلتمسون له مرضعة فى غير قبيلتهم ليكون أنجب المولد وأفصح له......")

(۲) ابن ہشام ۱/۱۶۰؛ سہیلی ۲/۱۴۴ وما بعد؛ شامی ۳۷۵-۳۸۰ وما بعد؛ نیز دیگر پیروانِ ابن اسحاق وابن ہشام؛ بلاذری ۱/۹۳: مختلف بھی ہے اور نقدِ ابن اسحاق بھی ہے جس پر بحث نسب حلیمہ کے تحت آگے آتی ہے۔

بچے کے باپ سے حسنِ معاوضہ (المعروف) ملے گا، یتیم بچے کی ماں اور دادا کیا حسنِ سلوک کرسکیں گے۔ اس بنا پر ساری خواتین نے ناپسند کیا۔ بی بی حلیمہ سعدیہ نے بھی پہلی بار آپ ﷺ کو قبول نہیں کیا۔ لیکن جب ساتھ آنے والی تمام عورتوں کو رضاعت کے لئے بچے مل گئے۔ اور بقول ان کے انھیں کوئی نہیں مل سکا تو اپنے شوہر سے انھوں نے کہا کہ بلا کسی بچے کو لئے وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ واپس جانا پسند نہ کریں گی، لہٰذا میں اسی یتیم کو ہی لے لیتی ہوں۔ ان کے شوہر نے ان کے خیال کو پسند کیا اور توقع ظاہر کی کہ شاید اللہ نے ہمارے لئے اسی یتیم میں برکت رکھ دی ہو۔ لہٰذا بی بی حلیمہ سعدیہ نے جا کر آپ ﷺ کو لے لیا۔ (۱)

ان تمام روایات و بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ مرضعات کی تلاش تو بلاشبہ رسول اکرم ﷺ کے دادا نے کی تھی۔ مگر حضرت حلیمہ سعدیہ کا انتخاب بطور مرضعہ ان کا نہیں تھا۔ وہ کسی بھی مرضعہ شریفہ کے حوالے کرنے کے تیار تھے جیسا کہ بنوسعد کی خواتین کے سامنے آپ ﷺ کے پیش کئے جانے کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کا انتخاب بھی بدرجۂ مجبوری تھا کہ ان کو اور کوئی بچہ نہیں ملا تھا۔ اس کی کسی حد تک وضاحت طبری نے اپنی مختصر روایت میں کی ہے اور حلبی نے حضرت حلیمہ کے انتخابِ عبدالمطلب کا پسِ منظر بھی بیان کیا ہے۔ اس امرِ واقعہ میں بعض

---

(۱) ابن ہشام ۱/۱۶۲۔۱۶۳؛ سہیلی ۲/۱۴۵۔۱۴۶۔ بلاذری ۱/۹۳۔۹۴۔ ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے راویوں پر مبنی روایت ہے کہ "قـــالـــوا" سے شروع کی ہے۔ الفاظ کا فرق ہے مگر مفہوم وہی ہے؛ ابن سید الناس ۱/۴۸ و مابعد بروایت ابن اسحاق ان سب میں یہ دلچسپ جملہ موجود ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو لینے کا فیصلہ صرف اس بنا پر تھا کہ حضرت حلیمہ کو کوئی دوسرا بچہ نہیں ملا تھا: "وما حملنی علیٰ اخذہ إلا انی لم أجد غیرہ" حلبی ۱/۸۹ نے ابن اسحاق کی اس روایت پر نقد کیا ہے کہ دوسری روایات کے مطابق آپ ﷺ کے دادا نے تلاش مرضعات کی اور حضرت حلیمہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس پر بحث ذرا بعد میں آتی ہے۔ متعدد نے البتہ دادا کی تلاش نہیں دیکھی: شبلی ۱/۱۷۳؛ ان میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں، اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہاتھ نہیں آیا۔ آنحضرت ﷺ کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو ان کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی، لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جاسکتی تھیں اس لئے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی" لیکن اس کے لئے کوئی حوالہ نہیں دیا، نہ مصنف نے نہ مرتب نے۔

خوش گمان راویان نے یدالٰہی کی کارفرمائی دیکھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تمام مراضع کے حرام کردئے جانے سے اسے جوڑ دیا۔ گویا کہ قضاوقدر کا فیصلہ یہی تھا کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس ہی رسول اکرم ﷺ کی رضاعت وپرورش کا انتظام ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے اس رضاعتِ حلیمہ سعدیہ کا ارتباط ومماثلت سوائے قضا وقدر کے فیصلہ کے اور کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ واقعۂ موسوی میں والدۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کئے گئے وعدۂ الٰہی کے ایفاء کا معاملہ تھا، جب کہ حضرت حلیمہ سعدیہ سے ایسا کوئی وعدہ نہیں تھا۔ بیشتر قدیم وجدید سیرت نگاروں نے ابن اسحاق کی روایت کو بلا مقابلہ وموازنہ قبول کرلیا اور دوسری روایات نظرانداز کردیا۔

بہرحال امام حلبیؒ نے ابن اسحاق کی روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صاحب شفاء الصدور کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہ کا دوسرا بیان ہے کہ مجھ سے عبدالمطلب ملے تو میرے بارے میں پوچھا۔ میں نے جب بتایا کہ میں بنوسعد کی ایک عورت ہوں تو نام پوچھا۔ حلیمہ نام سن کر عبدالمطلب نے تبسم فرمایا اور ان دونوں سے فال نیک لی کہ سعد اور حلم ایسی دو خصلتیں ہیں جن میں سارے جہان کا خیر اور دوامِ اقبال ہے۔ اے حلیمہ! میرے پاس ایک یتیم بچہ ہے جسے میں نے تمام سعدی عورتوں کے سامنے پیش کیا اور کسی نے اس کو یتیم ہونے کے سبب قبول نہ کیا، کیونکہ وہ یہ کہتی تھیں کہ یتیم کا ہم کیا کریں، ہمیں تو آباء (باپوں) سے کرامۃ (حسن سلوک) اور حسنِ معاوضہ کی امید ہوتی ہے۔ تو کیا تم اس کی رضاعت کروگی؟ شاید تمہیں اس کی بنا پر سعادت نصیب ہو۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کا بیان مزید ہے کہ میں نے ان سے کہا کہ میں اپنے شوہر سے پوچھ لوں۔ بہرحال انھوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ میں عبدالمطلب کے پاس واپس گئی تو ان کو انتظار میں بیٹھے ہوئے پایا۔ جب میں نے ان سے کہا کہ بچے کو لے آیئے تو خوشی سے ان کا چہرہ تمتما گیا۔ وہ مجھے لے کر حضرت

آمنہ کے گھر گئے، ماں نے بھی میرا خیر مقدم کیا اور مجھے اس مکان رگھر میں لے گئیں جہاں محمد ﷺ اپنے حسین وجمیل اور خوشبودار لباس وبستر میں محوِ خواب تھے۔اس کے بعد بعض اور معجزانہ تفصیلات ہیں۔ بہرحال میں نے ان کو جیسے ہی لیا وہ مسکراتے ہوئے جاگ گئے۔اس روایت میں بھی وہ سکہ بند جملہ موجود ہے کہ میں نے آپ کو محض اس بنا پر لے لیا تھا کہ مجھے اور کوئی بچہ نہیں مل سکا تھا"۔ بہرحال امام حلبیؒ امام تطبیق بھی ہیں اور انھوں نے ابن اسحاق کی روایتِ مشہور سے اسے تطبیق دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔(۱)

بہرحال امام حلبیؒ نے اس فقرے پر نقد بھی کیا ہے کہ حضرت حلیمہ کو ان کے فقر کے سبب کوئی بچہ نہیں مل سکا تھا۔اسی طرح رسول اکرم ﷺ کو لینے کے سلسلے میں دوسرے کسی بچے کے نہ ملنے کو بھی قابلِ نقد بتایا ہے۔اگرچہ اس کے دلائل وتفصیلات نہیں دیں۔درایتی اور روایتی دونوں لحاظ سے ابن اسحاق وغیرہ کی روایت کے اس حصہ پر خاصا شبہ کیا جاسکتا ہے اور اسے غلط کہا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ بچوں۔شیر خوار بچوں۔کی رضاعت کے لئے باپوں کا خرچ کرنا اور مرضعات کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا عام قاعدہ ضرور تھا لیکن رسول اکرم ﷺ کے یتیم ہونے کے معنی قطعی یہ نہ تھے کہ آپ ﷺ بے حال ومنال بھی تھے۔آپ ﷺ خود بھی اپنے والد ماجد کے مال کے وارث تھے اور اس سے زیادہ دادا عبدالمطلب ہاشمی اکابرِ قریش ہی میں نہیں ان کے دولتمند ترین افراد میں تھے۔اور اپنی صفاتِ عالیہ اور محبتِ محمدی کے لئے معروف تھے۔سعدی مرضعات کے مسترد کرنے کی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبدالمطلب ہاشمی کی دولتمندی، بزرگی اور خاندانِ نبوت کی کفالت وغیرہ سے قطعی نابلد تھیں۔یتیم کی

(۱) حلبی ۱/۸۹-۹۰؛ طبری ۲/۱۵۷ کا بیان مختصر ہے کہ خانۂ کعبہ سے واپس آ کر عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو ماں کے حوالے کیا اور پھر خود ہی تلاش مرضعات میں نکلے اور بنوسعد بن بکر کی ایک خاتون حلیمہ نامی کو آپ ﷺ کی رضاعت کے لئے منتخب کیا۔

حیثیت سے مسترد کیے جانے کی کہانی ان تاریخی حقائق سے میل نہیں کھاتی۔ صحیح روایت وہی ہے جو حلبی نے نقد میں نقل کی ہے۔ اور اس کی بھرپور تائید امام طبری کی روایت سے ہوتی ہے جس میں تلاشِ مرضعات کی ذمہ داری اور فعل دونوں کو عبدالمطلب ہاشمی کا قرار دیا ہے۔

نام ونسب حلیمہ

حضرت ثویبہؓ کے برعکس حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی شخصیت، ان کے نام ونسب اور ان کے خاندان کے بارے میں کافی تفصیلات کم از کم رضاعتِ نبوی کے حوالے سے ملتی ہیں۔ اس کی ظاہری وجہ ان کی خاندانی شرافت ونجابت اور شخصی عظمت وجلالت تھی۔ ہوازن رثقیف کا خاندان وقبیلہ قریشِ مکہ کے لئے معروف ہی نہیں تھا بلکہ ان کے ساتھ سیاسی، سماجی اور متعدد دوسرے رشتے استوار تھے۔ ان سے تجارت کرتے تھے۔ طائف وغیرہ کے زرخیز علاقوں میں قریشی جائدادیں اور باغات تھے اور ان سے شادی بیاہ کے تعلقات بھی تھے۔ ہوازن اپنے کو قریش سے کم افضل نہیں سمجھتے تھے، بس ان کے متولیانِ کعبہ ہونے کے سبب ذرا زخم کھاتے تھے۔ قریش بھی ان کو ہم پلہ ہی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور رسول اکرم ﷺ کی احادیثِ شریفہ کے علاوہ تاریخی روایات وآثار سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ (۱)

حلیمہ سعدیہ کے والد ماجد کا نام ابوذویب عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن فصیہ بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلانی مع پورے شجرۂ نسب کے ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اپنے

(۱) سورۂ زخرف۔۳۱ ﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾ اور کہتے ہیں، کیوں نہ اترا، یہ قرآن، کسی بڑے مرد پر، ان دو بستیوں کے۔ عبدالقادر دہلویؒ۔ یعنی مکے اور طائف کے کسی سردار پر'' مفسرین کرام کے مطابق یہ قول اکابر مکہ رقریش کا تھا اور دو قریوں سے مراد مکہ اور طائف تھے۔ قریشِ مکہ اور اکابرِ طائف کے سیاسی اور سماجی اور دوسرے تعلقات کے لئے ملاحظہ ہو: عبدالمطلب ہاشمی ...... اور دوسری کتب سیرت۔

کتب میں دیا ہے۔ ماہرین نسب ابن الکلبی وغیرہ نے اس پر نقد کیا ہے کہ ابن اسحاق نے ابوذویب کا نام غلطی سے عبداللہ بن حارث لکھ دیا ہے: اصلاً وہ ابوذویب حارث بن عبداللہ بن شجنہ ہے۔ اوپر کی پیڑھیوں میں بھی بعض ناموں اور نسبوں کی غلطیاں واضح کی گئی ہیں۔ بلاذری، سہیلی اور متعدد دوسرے ماہرینِ انساب اور مولفینِ سیرت نے اس پر کافی بحث کی ہے اور اغلاط ابن اسحاق کو بتایا ہے۔ (۱)

بیشتر متاخر مؤلفینِ سیرت نے اور قریب قریب تمام اردو کے بڑے سیرت نگاروں نے حضرت حلیمہ کے نسب سے بحث نہیں کی۔ ان کے والد ماجد کے نام پر ابن اسحاق/ابن ہشام کے تسامح اور اس پر ماہرینِ نسب اور شارحینِ حدیث کے نقد سے بھی تعرض نہیں کیا۔ لہٰذا ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے والد حارث بن عبداللہ سعدی کی دوسری اولاد پر کوئی کلام کرتے۔ اس باب میں بالخصوص جب بنیادی مآخذِ سیرت ہی خاموش ہیں۔ ابن اسحاق اور ان کے تمام پیروکاروں اور دوسرے سیرت نگاروں نے اس موضوع پر کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے درخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ اس سے راویانِ قدیم کی روش و رویہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کو جس چیز یا پہلو سے دلچسپی ہوتی ہے اس پر ضرورت سے زیادہ اور خاصی تفصیل و بہت سی جزئیات جمع کر دیتے ہیں۔ اور جس کو خاطر میں نہیں لاتے اس سے صرف نظر کر لیتے ہیں اور بسا اوقات ان روایتی خلاؤں نے بابِ سیرت کو دھندلا کیا ہے۔ (۲)

(۱) ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۶۰؛ بلاذری ۱/۹۳؛ سہیلی ۲/۱۶۲: صرف فصیۃ کی تصحیح کی ہے، ابوذویب کے اصل نام پر بحث نہیں ہے ابن سید الناس ۱/۵۱ میں عبداللہ بن حارث نام بتایا ہے ابوذویب کا، نسب کی اوپر کی پیڑھیوں میں اختلافات وتسامحات ہیں؛ طبری ۲/۱۵۷ نے ابوذویب کا نام عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن فصیہ بن سعد بن بکر الخ ہی لکھا ہے۔ ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، ۲۵۴: میں بھی عبداللہ بن حارث ہے اور فصیہ کی جگہ عصیہ ہے۔ غیر معروف اکابر کے ناموں میں ایسی غلطیاں عام ہیں اور ہر شخصیت کے نسب کی اوپر کی پیڑھیوں میں ملتی ہیں حتی کہ عدنان سے اوپر رسول اکرم ﷺ کے نسب میں یہ تسامح ملتا ہے۔

(۲) شبلی ۱/۱۷۲-۱۷۳؛ کاندھلوی ۱/۷۰-۷۴: منصور پوری ۱/۴۱ بلا حوالہ: مودودی ۲/۹۶-۹۷ بحوالہ ابن سعد وابن اسحاق، مبارکپوری ۸۴-۸۷ بحوالہ ابن ہشام ۱/۱۶۲-۱۶۴۔

بہر حال اپنی جگہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے دوسرے بھائی بہن بھی رہے ہوں گے اور ممکن ہے انساب میں وہ مدفون ہوں۔ ہمارے اس دعوے کی بہر حال ایک تصدیق سند بلاذری کی ایک روایت سے ملتی ہے جس کے مطابق فتح مکہ کے دن حضرت حلیمہ کی ایک بہن اپنے شوہر کی ایک بہن کے ساتھ رسول اکرم ﷺ سے ملاقات کے لئے آئی تھیں۔ اس واقعہ کا ذکر اپنے مقام ارتباط پر آئے گا۔ (۱)

عرب انساب کے ایک ماہر علامہ ابن حزم اندلسیؒ نے اپنی ''جمہرۃ انساب العرب'' میں بنوسعد بن بکر کے ذکر کو صرف ایک صفحہ میں نمٹا دیا ہے۔ ان کو البتہ آظار النبی ﷺ کہا ہے کہ ان کے پاس آپ علیہ السلام کی رضاعت ہوئی تھی۔ ان کے اکابر میں صرف چند ہی کا ذکر کیا ہے: ا۔ حارث بن یعمر بن حیان بن عمیرہ بن ملآن بن ناصرہ بن عصیہ بن نصر بن سعد بن بکر جنھوں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی سے حلف کا رشتہ قائم کیا تھا اور ان کی دختر حضرت صفیہ بنت العباس سے شادی کی تھی۔ ان کے دو فرزندوں اور بعد کے اکابر کا ذکر کیا ہے۔ ۲۔ حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ بن ملآن بن ناصرہ بن عصیہ بن نصر بن سعد بن بکر جو رسول اکرم ﷺ کے حاضن (رضاعی باپ) تھے۔ ۳۔ ان کی اہلیہ حضرت حلیمہ سعدیہ جو حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث...... تھیں۔ اور ان دونوں کی طرف اولاد کا ذکر کیا ہے۔ بقیہ تفصیل نہیں ہے۔ (۲)

حضرت حلیمہ کے شوہر اور اولادیں

ابن اسحاق اور ابن ہشام کی بنیادی روایت ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ ان کے شوہرِ نادار اور چھوٹا شیر خوار بچہ ساتھ آیا تھا۔ اسی حوالے سے رسول اکرم ﷺ کے رضاعی باپ کے نام ونسب کو بیان کیا ہے اور وہ بھی اسی بنوسعد کے

(۱) بلاذری ۱/۹۵: ''وقدمت علی رسول اللہ ﷺ یوم فتح مکہ، وهو بالابطح، اخت حلیمه ومعها أخت زوجها......''۔

(۲) جمہرۃ انساب العرب، ۲۵۳

خاندان سے تھے جس سے حضرت حلیمہ تھیں۔ ان کا نام ونسب ابن ہشام کے مطابق یہ ہے: ''الحارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ بن ملاَن بن ناصرۃ بن فصیۃ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن'' ابن ہشام نے کہا ہے کہ ایک روایت میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ھلال بن ناصرۃ یعنی تیسری پیڑھی میں ملاَن کی جگہ نام ہلال تھا۔(۱)

اولادِ حضرت حلیمہ سعدیہ

اولاد حضرت حلیمہ سعدیہؓ میں تین۔ ایک فرزند اور دو دختروں۔ کا ذکر بالعموم بیشتر کتب سیرت میں کیا جاتا ہے۔ ان میں تمام قدیم وجدید سیرت نگار، ماہرینِ انساب اور دوسرے اہلِ علم شامل ہیں۔ صرف ایک جدید محقق نے چار اولادوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا شبلیؒ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چار رضاعی بھائی بہن تھے، جن کے نام یہ ہیں: عبداللہ، انیسہ، حذیفہ اور حذافہ جو شیماء کے لقب سے مشہور تھیں''۔ لیکن ان کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے نہ ان پر کوئی بحث کی گئی۔ مولانا کاندھلویؒ اور مولانا مودودیؒ نے صرف عبداللہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر قدیم مآخذ میں ان کا ذکر مختلف انداز سے ملتا ہے۔ ان میں تعداد کا بھی اختلاف ہے اور ناموں کے املا اور ہجے کا بھی۔ مثلاً ابن اسحاق اور ابن ہشام نے صرف تین نام گنائے ہیں: عبداللہ بن حارث، انیسہ بنت الحارث اور حذافۃ بنت حارث اور انھیں موخر الذکر کو الشیماء کہا ہے۔ امام سہیلیؒ نے ابن اسحاق کی روایت نقل کر کے اپنی تشریح میں الشیماء کے اصل نام پر بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا اصل نام ''خدلمۃ'' تھا، بعض نے

---

(۱) ابن ہشام ۱/۱۶۱؛ سہیلی ۲/۱۴۵ و مابعد؛ بلاذری ۱/۹۳ نے ابن اسحاق کی روایت نسب نصر بن سعد تک دہرائی ہے؛ شبلی ۱/۱۷۴: حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی آنحضرت ﷺ کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبدالعزیٰ ہے'' بحوالہ اصابہ ابن حجر؛ مودودی ۲/۹۶: ''......جن میں حلیمہ بنت ابی ذویب بھی اپنے شوہر حارث بن عبداللہ کے ساتھ شامل تھیں......'' غلطی سے عبدالعزیٰ کی جگہ عبداللہ لکھا ہے۔ مبارکپوری، ۸۴: ''......ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ اور کنیت ابوکبشہ تھی اور وہ بھی قبیلہ بنی سعد ہی سے تعلق رکھتے تھے''۔

حذافہ بھی بتایا ہے، اور یہی نام یونس نے ابن اسحاق کی روایت میں اور ابوعمر نے کتاب النساء میں لکھا ہے۔ محقق کتاب سہیلی نے اپنے حاشیہ ابوذر الخشنی کے حوالے سے دو اور قراءتیں لکھی ہیں: جدامہ یا جذامہ......(۱)

حضرت حلیمہ سعدیہ کی اولاد کے باب میں وہی ابہام پایا جاتا ہے جو حضرت ثویبہ کی اولاد کے بارے میں پہلے بیان کیا جاچکا۔ بس فرق یہ ہے کہ حضرت حلیمہؓ کے تین بچوں بچیوں کا ذکر ملتا ہے جن میں سے ایک رسول اکرم ﷺ کے دودھ شریک تھے اور وہ حضرت عبداللہ تھے۔ حضرت الشیماءؓ ان سے بڑی تھیں اور ان کی عمر سات آٹھ سال یا اس سے زیادہ رضاعتِ نبوی کے وقت رہی ہوگی، کیونکہ وہ رسول اکرم ﷺ کو گود میں کھلاتی تھیں اور ماں کی گھریلو مصروفیات کے دوران آپ ﷺ کی دیکھ ریکھ/حضانت کرتی تھیں۔ دوسری بہن حضرت انیسہؓ کے بارے میں مآخذ میں سکوت پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کے عمر وسن اور کام وکارگردگی کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ ایک پیشہ ور اور مستقل مرضعہ تھیں اور وہ ہر سال تلاشِ رضعاء میں مکہ مکرمہ آتی تھیں اور ممکن ہے کہ وہ طائف وغیرہ بھی اس سلسلے میں جاتی رہی ہوں۔ بہرحال ان کی مستقل مرضعہ کی حیثیت یہ تقاضا کرتی ہے کہ ان کی اور

---

(۱) شبلی ۱/۱۷۵؛ کاندھلوی ۱/۰۷-۲۷؛ مودودی ۲/۹۶-۹۸؛ سہیلی ۲/۱۳۵اور ۱۶۲-۱۶۳ نیز حاشیہ۔ ؛ طبری ۲/۱۵۷؛ نے صرف تین عبداللہ، انیسہ اور خذامہ کا ذکر کیا ہے اور موخر الذکر کو ہی الشیماء کا کہا ہے اور اس کو غالب نام بتایا ہے؛ مبارکپوری، ۸۴ روایت ابن ہشام؛ نیز بلاذری ۱/۹۲؛ حلبی ۱/۸۸ وما بعد؛ ابن سید الناس ۱/۴۸-۵۳۔ نیز فادر بہل (Fr. Buhl) اور ادارہ، مقالہ حلیمہ اردو معارف اسلامیہ لاہور، میں بھی صرف تین۔ ایک فرزند اور دو دختروں۔ کا ذکر ہے۔ یہ مقالہ خاصا ناقص ہے) ابن حزم جمہرۃ انساب العرب، ۲۵۳، نے صرف تین اولاد حلیمہ کا ذکر کیا ہے: ۱۔ عبداللہ، ۲۔ انیسہ بنت الحارث بن عبدالعزیٰ اور ۳۔ الشیماء بنت الحارث، اور ان سب کو رسول اکرم ﷺ کے رضاعی برادر (اخوۃ) قرار دیا ہے۔ حضرت الشیماء کو رسول اللہ ﷺ کی حضانت اور گود لینے کی خدمت کا اور ہوازن کی قیدیوں میں موجودگی کا اور بعد میں ان کے اعزاز واکرام اور عطائے نبوی کا مختصر حوالہ ہے۔ البتہ اسپین/اندلس کے حوالے سے ان کا ایک قیمتی اضافہ یہ ہے کہ البیرہ کے بنوجودی) بنو جودی الالبیریون) انھیں بنوسعد بن بکر کے خاندان سے ہیں۔

اولادیں بھی رہی ہوں گی۔ اگر صرف ان تین اولادوں کو حتمی تعداد مان لیا جائے تو ان کی مدتِ رضاعت کافی مختصر ہو جاتی ہے جو مستقل مرضعہ کے منصب کے خلاف ہے۔ بعض دوسرے اکابرِ قریش کی رضاعتِ حلیمہ سعدیہ کے حوالے سے بھی یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی اور اولادیں بھی رہی تھیں۔

رضاعتِ نبوی کی برکات

رسول اکرم ﷺ کی رضاعتِ حلیمہ سعدیہؓ کے ضمن میں تمام مآخذ و مصادرِ سیرت کا بنیادی زور برکات و معجزات پر ہے۔ اس کی بنیادی روایت ابن اسحاق/ ابن ہشام کی ہے اور وہی دوسروں کے ہاں بھی تھوڑے بہت فرق کے ساتھ بار بار نقل کی گئی ہے۔ بلاذری وغیرہ نے "قالوا" کے ساتھ ان معجزات و برکات کو بیان کر کے عندیہ دیا ہے کہ وہ ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے رواۃ کے ذریعہ بھی آئی ہے۔ امام کلاعیؒ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کا پورا واقعہ رضاعتِ نبوی کی برکات و معجزات بیان کر کے اسے امام واقدی کی روایت قرار دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری روایت کسی ایک قدیم ترین راوی کی بیان کردہ ہے اور اسی کو تمام امامانِ سیرت نے کمی بیشی کے ساتھ بیان کیا ہے۔(1)

اس بنیادی روایت میں بھی حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے شوہر گرامی قدر حضرت حارث بن عبدالعزیٰ سعدیؓ کی امیدِ خیر کے علاوہ ایک بہت اہم فقرہ ہے جو تمام برکاتِ محمدی کی اساس ہے۔ موصوف گرامی نے جب برکاتِ نبوی ملاحظہ کرنے شروع کیے تو حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے کہا کہ اے حلیمہ! تم نے بہت ہی مبارک بچہ لیا ہے۔ مولانا کاندھلویؒ کا یہ ترجمہ اصل فقرہ کا صحیح نہیں ہے۔ اصل جملہ بہت دلچسپ ہے اور وہ یہ ہے: "واللہ یا حلیمة! لقد أخذت نسمة مبارکة" مولانا مودودیؒ

(1) ابن اسحاق/ابن ہشام وغیرہ کے سابقہ حوالے؛ کلاعی، کتاب الاکتفاء بمغازی المصطفیٰ والثلاثة الخلفاء، پیرس 1931ء، 1/232-239؛ طبری 2/157-160 و مابعد۔

کا ترجمہ بھی مولانا کاندھلوی کی مانند ہے۔ مولانا مبارکپوری نے خوب ترجمہ کیا ہے: "خدا کی قسم! تم نے ایک بابرکت روح حاصل کی ہے" لیکن یہ سب تراجم "نسمة" کی حقیقت نہیں بتاتے۔ اس پر حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے خاص صوفیانہ انداز سے عمدہ بحث کی ہے اور وہ بحثیں حدیث کی کتابوں بالخصوص فتح الباری میں بھی ملتی ہیں کیونکہ وہ ایک لفظِ حدیث بھی ہے اور اس کے ایک مخصوص معنی ہیں۔(۱)

برکاتِ نبوی کی جہات

تمام روایات واحادیث میں رسول اکرم ﷺ کی برکاتِ رضاعت کو ایک ہی بیانیہ کے اندر پرو دیا گیا ہے۔ بعض روایات واحادیثِ آحاد میں وہ الگ الگ بھی آتی ہیں۔ اور ان میں بھی برکات کا مجموعہ مختلف چیزوں سے متعلق ہے۔ سیرت نگاروں نے خاص کر بنیادی سیرت نگاروں نے، خواہ قدیم ہوں یا جدید، ان کی جہات کا الگ الگ تجزیہ نہیں کیا ہے۔ ان میں سے کچھ برکاتِ نبوی کا تعلق حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی ذات گرامی سے تھا جن سے ان کے فرزند وغیرہ مستفیض ہوئے، کچھ برکات کا ظہور حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے مویشیوں، جانوروں وغیرہ سے تھا جن کے فوائد سے اہلِ خانہ بہت محظوظ ہوئے، اور کچھ کا تعلق ماحول اور گھریلو فضا اور مقامی منظر نامے سے ہے جن سے استفادہ نسبۃً عام پیمانے پر ہوتا رہا۔ ان سب کا اور ان جیسے بعض دوسرے زاویوں اور دیگر جہات کا الگ الگ ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ صحیح تناظر میں سیرتِ نبوی کے اس خاص پہلو کا مطالعہ کیا جا سکے اور ان سے صحیح نتائج اخذ

---

(۱) کاندھلوی ۱/۱۷؛ مودودی ۲/۹۶-۹۷؛ مبارکپوری، ۸۶؛ نیز شبلی ۱/۱۷۳-۱۷۵ جنھوں نے برکات کا باب ہی بند کر دیا، شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۹، ۳۳، ۴۷، ۶۹ومابعد اور متعدد دوسری کتب ورسائل جیسے تفہیمات الٰہیہ ۱/۱۴-۱۵ ومابعد، فتح الباری؛ ۹/۳۷۹ ومابعد: حدیث بخاری: ۵۲۱۰ (کتاب النکاح باب العزل)؛ ۱۱/۴۰۲ ومابعد، حدیث: ۶۶۰۳ کتاب القدر "ما من نسمة كائنة الى يوم القيامة إلا هى كائنة" / "فانه ليست نسمة كتب الله أن تخرج إلا هى كائنة" وغیرہ احادیث وکتب وابواب۔

کئے جاسکیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ مولفینِ سیرت اور اہلِ اسلام دونوں کے دو طبقات ہیں: ایک وہ اہلِ عقل و تدبر ہیں جو برکات و معجزات کی انسانی زندگی اور کائناتی اشیاء پر اثر انگیزی کے قائل ہی نہیں اور سیرت نبوی کو اسوہ و نمونہ ہدایت بنانے کے دعوے کے تحت ان کا ذکر کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں تو محدود کر دیتے ہیں۔ دوسرے وہ خوش گمان اور عقیدت پرست افراد و طبقات ہیں جن کے ہاں معجزات و برکات کا پہلو اتنا نمایاں اور اجاگر ہو جاتا ہے اور عملی اسوہ کا پہلو اتنا دب جاتا ہے کہ سیرتِ نبوی خوارقِ عادات کا مجموعہ اور مابعد الطبیعات کا کارفرمائی بن کر رہ جاتی ہے۔ غالباً کیا یقیناً صحیح طریقۂ مطالعہ اور اندازِ تالیف یہی ہے کہ عمل اور تعامل کے ساتھ برکات و معجزاتِ نبوی کو بھی ان کی اقدار بھر سمویا جائے کیونکہ شخصیت و ذاتِ نبوی ان دونوں کا حسین ترین مجموعہ اور سب سے مثالی پیکر اور عظیم ترین آدرش تھی۔ برکاتِ نبوی کا ظہور حیاتِ طیبہ میں اس طرح مسلسل ہوتا رہا کہ وہ ایک مسلمہ حقیقت اور تاریخی واقعہ بن گیا ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔ حیات و سیرتِ طیبہ سے وابستہ برکات و خوارق کا ظہور آج بھی جاری ہے اور حیاتِ انسانی ایمانی پر آج بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ خواہ ہماری موٹی عقل میں نہ آئے۔ اس کے سمجھنے اور دیکھنے کے لئے چشمِ بینا سے زیادہ قلبِ مومن کی ضرورت ہے جس پر نزولِ کتاب ہوتا ہے۔

ذاتِ حلیمہؓ سے وابستہ برکات

حضرت حلیمہ سعدیہ کو نبوی رضاعتِ طیبہ کا اولین تجربہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کے اولین لمحہ سے ہی ہوا۔ تمام روایات کا تقریباً اجماع ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ رسول اکرم ﷺ کو بی بی آمنہ کے گھر سے لے کر پہلے اپنے ڈیرے پر پہونچیں۔ آپ ﷺ کو پہلی رضاعت کے لئے اپنی آغوشِ مبارک میں رکھا تو دونوں چھاتیوں سے دودھ رحمتِ باری کی طرح ابل پڑا۔ رسول اکرم ﷺ نے خوب شکم سیر

ہوکر پیا اور آپ ﷺ کے رضاعی بھائی حضرت عبداللہ بن حارث سعدی نے بھی خوب جی بھر کر پیا اور پھر دونوں بھائی اطمینان بھری نیند سو گئے۔ رضاعی ماں کی محبت وشفقت اور رضاعتِ رسول اکرم ﷺ کی کارفرمائی کیا خوب تھی۔ بی بی حلیمہؓ نے پہلے اپنے رضاعی فرزند کو دودھ پلایا تھا اور اپنے لختِ جگر کو آپ ﷺ کے بعد ہی سیرابی کی دعوت دی تھی۔ بعض دیگر روایات کا یہ بیان بھی صحیح لگتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ مشیتِ الٰہی اور ہدایتِ ربانی سے صرف داہنی چھاتی سے دودھ پیتے تھے اور دوسری چھاتی اپنے برادرِ رضاعی کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ بلاشبہ اس میں خوش گمانی اور عقیدت کا عنصر بہت نظر آتا ہے، لیکن مکارمِ اخلاق ہونے والے پیکر اور ان کی تکمیل کرنے والے پیغمبر آخر الزماں سے اگر عدل وانصاف کی توقع نہیں ہوسکتی کس سے ہوسکتی ہے۔ اسی نبوی عدل وانصاف اور برکات بھری رضاعت کا دوسرا ثمرہ یہ تھا کہ ماں باپ کو بھی راحت کی نیند نصیب ہوئی جوان کو پہلے قلتِ غذا کے سبب شیر خوار فرزند کی بے تابی، بے خوابی اور آہ وزاری چین سے سونے ہی نہ دیتی تھی۔ ابن اسحاق کا بیان یہ ہے: ''قالت: فلما أخذته، رجعت به إلىٰ رحلی، فلما وضعته فی حجری، أقبل علیه ثدیای بماشاء من لبن، فشرب حتی روی، وشرب معه أخوه ثم ناما، وما کنا ننام معه قبل ذلك'' (۱)

مویشیوں سے متعلق برکات

روایاتِ سیرت مذکورہ بالا کا اگلا حصہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی اونٹنی پر مرتب ہونے والی برکات کا ذکر کرتا ہے۔ حضرت حلیمہؓ ہی کا بیان ہے کہ بچوں کے سو جانے کے بعد میرے شوہر جناب حارث سعدیؓ اپنی اونٹنی کو دوہنے کے لئے گئے کہ ان دونوں ماں باپ کا بڑا غذائی حصہ اسی کے دودھ پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور وہ عرب بدوؤں کا

(۱) ابن ہشام ۱/۱۶۳؛ سہیلی ۲/۱۴۶ ومابعد؛ بلاذری ۱/۹۳؛ ابن سید الناس ۱/۳۹؛ کلاعی ۱/۲۳۶؛ طبری ۲/۵۹ بروایت ابن اسحاق وسعید بن یحییٰ اموی؛ کاندھلوی ۱/۷۱؛ مودودی ۲/۹۶؛ مبارکپوری ۸۵-۸۶۔

من بھاتا کھاجا اور عام کھاناتھا۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کی اونٹنی کے تھن دودھ سے لبریز ہیں جو اکثر وبیشتر قلتِ چارہ کے سبب خالی ہی رہا کرتے تھے۔ اس سے اتنا دودھ ملا کہ ہم دونوں نے بھی پیٹ بھر کر پیا اور آرام سے رات بھر سوتے رہے۔ صبح ہوئی تو حضرت حارثؓ نے وہ تبصرہ کیا جس کا اوپر حوالہ آچکا ہے کہ حلیمہ تو نے ایسی بابرکت ذات پالی ہے جو ہماری بھی کفیل بن گئی ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے اپنے ذاتی تجربے سے ان کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ مستقبل کی برکاتِ نبوی کے حصول کی آس کا اظہار بھی فرمایا: ''وقام زوجي الیٰ شارفنا تلك، فإذا إنها حافل، فحلب منها ما شرب، وشربت معه، حتى انتهينا ريا و شبعا، فبتنا بخير ليلة" ......لقد أخذت نسمة مباركة" (۱)

سواری کی گدھی پر اثرِ برکت

وہی سواری کی گدھی (اتان) جو خستہ حال تھی اور مکہ آمد کے سفر کے دوران اپنے ضعف وکمزوری کے سبب پورے قافلے کے لئے مصیبت بن گئی تھی کہ وہ سب سے پیچھے رہ جاتی اور پورے قافلہ کو تنگ کرتی تھی۔ اب رسول اکرم ﷺ کی سواری کی برکت سے صبا رفتار بن گئی۔ قافلۂ سعد ورضاعت روانہ ہوا تو اس نے اپنی تیز رفتاری سے سب کو پیچھے چھوڑا اور آگے نکل گئی۔ اہلِ قافلہ تعجب سے ششدر تھے کہ یہی وہ گدھی ہے جس نے پہلے اپنی سست رفتاری سے تنگ کیا، اب برق رفتاری سے تنگ کرتی ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے تصدیق کی کہ وہی خستہ حال اور زار ونزار جانور ہے تو وہ سب سہیلیاں کہتیں کہ اس کی تو شان ہی نرالی ہے۔ ان کو کیا علم تھا کہ اب اس پر رحمت وبرکت کا نسمہ الٰہی سوار ہے جس نے اسے بھی زندگی اور سرشاری عطا کردی ہے: ''وركبت أتاني وحملته عليها معي فوالله لقطعت بالركب، مايقدر عليها شئ من حمرهم...... والله إن لها شانا''۔ (۲)

(۱) ابن اسحاق/ابن ہشام، سہیلی، طبری نیز ابن سید الناس، حلبی، کاندھلوی، مودودی، مبارکپوری وغیرہ کے مذکورہ حوالے۔
(۲) ابن اسحاق/ابن ہشام وغیرہ نیز دیگر حوالے)

مویشیوں اور جانوروں پر برکاتِ نبوی کا جو ابتدائی ظہور ان کی اونٹنی اور گدھی پر ہوا تھا وہ جاری رہا۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی روایت کے باقی حصہ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ جنابِ الٰہی سے زیادت و خیر کا تجربہ ہمیں برابر ہوتا رہا۔ اپنے علاقے بنی سعد میں اپنے گھروں کو واپس لوٹنے کے بعد اس کے مسلسل تجربات ہوتے رہے۔ اس سال ہمارا علاقہ تمام علاقوں سے زیادہ بے آب و گیاہ اور بے سبزہ (اجدب) تھا۔ تاہم ہماری بکریاں اور دوسرے دودھاری مویشی (غنمی) صبح کو چرائی کے لئے جاتے تو خالی پیٹ ہوتے اور شام کو آتے تو شکم سیر ہوتے اور ان کے تھن دودھ سے پھٹے پڑتے۔ ہم انھیں دوہتے، پیتے اور سیراب ہو کر چین کی بنسی بجاتے۔ جب کہ ہمارے پڑوسی اور دوسرے لوگ اسی قحط کے مارے ہوئے تھے۔ ان کے مویشی خالی پیٹ جاتے اور پچکے پیٹ واپس آتے اور مشکل سے دودھ کے چند قطرات ان سے مل پاتے۔ وہ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ وہیں ہمارے مویشیوں کو چرایا کرو جہاں بنت ابی ذویب کے مویشی چرا کرتے ہیں۔ یہ برکاتِ رضاعت نبوی کی تھیں جو حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے خاندان والوں کو حاصل تھیں۔ ان سعدی خواتین رضاعت کو ان سے محروی تھی اور یہ محرومی انھوں نے اپنے ہاتھوں سے کمائی تھی کہ انھوں نے محض ظاہر پر تکیہ کر کے رسول اکرم ﷺ کو یتیم جان کر کے آپ ﷺ کی رضاعت سے اعراض کیا تھا۔ اس انکار و اعراض کے نتیجے میں ظاہر ہے ان کو ان باطنی روحانی برکات سے حصہ کیسے مل سکتا تھا؟ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے اگرچہ ایک ہی جملہ میں تمام برکات نبوی کا خلاصہ کردیا ہے لیکن وہ یہ صراحت چاہتا ہے رسول اکرم ﷺ جب تک بنو سعد کے علاقے میں خانۂ حلیمہ سعدیہ میں قیام فرما رہے، اس پورے عرصہ میں برکاتِ نبوی کا ظہور مسلسل ہوتا رہا۔ اور روایات کے اجماع سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا قیام اپنی رضاعی ماں سے محبت و تعلق خاطر کے

سبب دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد مزید تین سال اور جاری رہا تھا۔ اس طرح ان برکاتِ نبوی کی کل ظاہری مدت پانچ سال تھی۔ روایات میں یہ مذکور نہیں ہے لیکن ان کے بین السطور مستور ضرور ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کا خاندان بعد میں بھی ان برکاتِ نبوی سے برابر مستفید ہوتا رہا، اگرچہ ان کی نوعیت اب دوسری تھی۔ لیکن نوعیت کے فرق سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ان روایاتِ برکت کو منطق وعقلیت کے مارے اہلِ قلم نے نظرانداز کرنے یا کم از کم ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کو شخصیت کے گرد تقدس کا ہالہ بننے سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی ولادت سے لے کر بعثت تک برکاتِ الٰہی کا ظہور ایک تاریخی واقعہ ہے ان کی تصدیق وصراحت صحیح احادیث وصحیح روایات سے بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان برکات کے ظہور کا انکار مشکل ہے۔ ورنہ تمام برکاتِ نبوی کے ظہور وتاثیر کا انکار واجب ہوگا اور وہ ایک حقیقتِ ثابتہ کو مسترد کرنے کے مترادف ہوگا۔

حضرت حلیمہؓ کی دوسری رضاعتیں

ہاشمی خاندان کے بعض اور فرزندوں کی رضاعتِ بنوسعد کی روایات ملتی ہیں مگر ان میں خاصا ابہام پایا جاتا ہے۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعت/رضاعتوں کا بھی ذکر ملتا ہے اور وہ بھی الجھن، تضاد، تصادم اور تنافرِ روایات کا شکار ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہؓ کے ذکرِ خیر میں اور پھر حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے تذکرۂ سعادت میں ان کا حوالہ آرہا ہے۔ ان کا خلاصہ نکات کی شکل میں بعض فرزندانِ ہاشمی کے علیحدہ علیحدہ تذکرے کے حوالے سے بطور تنقیح کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان دوسری رضاعاتِ حلیمہ سعدیہ کا تاریخی تذکرہ پورا ہو جائے اور اس سے نتیجہ نکالنے میں آسانی رہے۔

۱۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کے بارے میں عام ذکر یہ ملتا ہے کہ ان

کی کسی سعدی رضاعی ماں/ مرضعہ نے رضاعت کی تھی، ان کا نام کسی نے نہیں لکھا۔ حافظ ابن قیمؒ اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے ان کو ان کی ایک سعدی ماں (امہ السعدیۃ) کے فقرے سے یاد کیا ہے جب کہ بعض دوسرے تذکرہ نگاروں نے اپنے قیاس سے ان کا نام حلیمہ سعدیہ بتایا ہے۔ بہر حال حضرت حمزہ کی مستقل رضاعتِ سعدی کا حوالہ خاصا مشکوک ہے۔ اور ان کی سعدی ماں کی رضاعت کا بھی، اور اگر صحیح بھی ہے تو عارضی نوعیت کا معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمیؓ دوسرے ہاشمی فرزند ہیں جن کی رضاعتِ سعدی کے بارے میں دو طرح کی روایات ملتی ہیں: ایک قسم کی روایات میں ان کی سعدی/ بنوسعد بن بکر کی رضاعت مستقل نوعیت کی بتائی جاتی ہے اور حضرت حلیمہ کا نام قطعی طور سے لیا جاتا ہے۔ دوسری نوعیت کی روایات ان کی چند روزہ رضاعتِ حلیمہ کا ذکر کرتی ہیں۔ ان روایات کی بھی تحقیق ابھی مکمل نہیں ہو سکی ہے۔

۳۔ رسولِ اکرم ﷺ کی رضاعتِ حلیمہ سعدیہ کی بنیادی روایتِ مآخذ میں بنوسعد کی متعدد عورتوں/ مرضعات کے مکہ مکرمہ آنے اور قریشی اور مکی نونہالوں کے ایک بڑے طبقہ کو صرف ایک سال میں رضاعت کے لئے بنوسعد بن بکر میں لے جانے کا واضح اور قطعی ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ تو واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ متعدد فرزندانِ مکہ/ قریش کی رضاعت بنوسعد بن بکر میں ہوئی تھی، لیکن ان کے نام مذکور نہیں۔ اس کا بہر حال امکان ہے کہ ان کے اسماء گرامی اور ان کی سعدی رضاعتوں کے حوالے اوراقِ سیرت و نسب کی زینت بنے ہوں اور ہمارے علم میں نہیں آ سکے۔ اسی طرح دوسری جہت یہ بھی ہے کہ صرف سالِ ولادتِ نبوی ہی میں سعدی عورتیں اور مرضعات مکہ نہیں آئی تھیں بلکہ اس کے پیشتر اور بعد کے برسوں میں بھی برابر آتی رہتی تھیں اور نونہالانِ قریشِ مکہ کو رضاعت کے لئے اپنے علاقے لے جایا کرتی تھیں۔ یہ دراصل

مکہ اور بنو سعد بن بکر کے درمیان مستقل رضائی رشتہ داری اور ارتباط کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا انکار کرنا مشکل ہے۔

۴۔ بنو سعد بن بکر کی عام رضاعاتِ قریش کی کوئی صحیح اور قطعی تقویم تیار کرنی مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اس لئے کہ ان کے فرزندوں کے اسماء ہی نہیں ملتے، لہٰذا ان کے زمانوں کی تعیین کیسے کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک مشکل ترین تحقیقی مطالعہ کا موضوع ہے جو کافی گہری، وسیع اور لمبی تحقیقات کا متقاضی ہے۔

۵۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعتِ ہاشمی وہاشمیان کی بہر حال اب تک کی دستیاب معلومات کے مطابق ایک تقویم تیار کی جاسکتی ہے جو قطعی اور متعین طور پر صحیح نہیں کہلائی جاسکتی، تاہم وہ رضاعتِ حلیمہ سعدیہ کی ایک جہت تو بتا ہی سکتی ہے۔ اور اس کے دو زمانی پہلو یا زاویے ہیں:

ہاشمی حضرات کی رضاعتِ حلیمہ سعدیہؓ کے حوالے سے رضاعتِ حلیمہ کی زمانی تقویم کی تعیین۔ اگر حضرت حمزہؓ کی رضاعت کو اولین معلوم رضاعتِ حلیمہ سعدیہ تسلیم کرلیا جائے اور حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمیؓ اور رسول اکرم ﷺ کی رضاعتِ حلیمہ کو متحدہ آخری رضاعت تو اس کا زمانہ ہمارے پہلے سے تسلیم شدہ زمانے کے مطابق ۵۶۷ء سے ۵۷۳ء تک چھ سال کا ٹھہرتا ہے۔ اس میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے فرزند حضرت عبداللہ سعدیؓ کی شرکت نظر آتی ہے۔ مگر کسی دوسری ہاشمی کی رضاعتِ حلیمہ میں کسی دوسری اولاد حلیمہ کے ساتھ شراکت کا ذکر نہیں ملتا۔ نہ حضرت حمزہ کے حوالے سے اور نہ ہی حضرت ابوسفیان بن حارث کے حوالے سے۔

بہر حال اس چھ سالہ مدتِ معلوم اور اس سے قبل اور بعد کی نامعلوم مدت کے دوران حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے کم از کم تین بچے ضرور تھے۔ ان بچوں۔ حضرات

شیماء، انیسہ، عبداللہ- میں سے اول الذکر دونوں دختران حلیمہؓ کے ساتھ ان میں سے کسی کی شرکت رہی ہوگی۔ اگر حضرت حلیمہ کو ایک پیشہ ور مرضعہ مان لیا جائے، جیسا کہ رضاعات کی روایات متعددہ بتاتی ہیں، تو یہ طے ہے کہ ان تینوں بچوں کے ساتھ کسی نہ کسی اور بچے کی رضاعت انھوں نے ضرور کی تھی۔ غالبًا ان میں سے حضرت شیماء کے ساتھ حضرت حمزہؓ کی رضاعت رہی ہو۔ مگر دقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث سعدی کے علاوہ حضرت شیماءؓ اور حضرت انیسہؓ کی عمروں کا ذکر نہیں ملتا۔(۱)

خانۂ حلیمہ میں قیام نبوی کے واقعات

رسول اکرم ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں جتنی مدت بھی قیام فرمایا اس کے واقعات وامور دو طرح کے ہیں۔ ایک نوع کے واقعات تو خالص انسانی وبشری دنیا کے ہیں جہاں مختلف امور ومعاملات اسباب وعلل کے سبب جنم لیتے ہیں۔ ان میں رسول اکرم ﷺ کی پرورش وپرداخت، کھیل کود، بچوں کے اعمال معصومانہ اور دوسرے امور ومعاملات شامل ہیں۔ دوسری نوع کے واقعات وہ ہیں جن کو تکوینی امور کہا جاتا ہے اور ان کے ظہور وبروز میں عالمِ ظاہری سے زیادہ عالمِ تکوینی کے عناصر کارفرمائی کرتے ہیں۔ ان کو ظاہری حواس اور انسانی عقل اور بشری تعقل سے سمجھا جاسکتا ہے اور نہ سمجھایا جاسکتا ہے۔ یہ وہ پوشیدہ اسرار الٰہی ہیں" جن کی کنہ کو بقول مولانا مودودیؒ انسان نہیں پہونچ سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسے عجیب وغریب واقعات بے شمار پیش آئے ہیں جن کی توجیہ نہیں کی جاسکتی، لیکن توجیہ کا ممکن نہ ہونا اس کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ ان کا انکار کردیا جائے"۔ (۲)

---

(۱) مذکورہ بالا حوالوں کے علاوہ اسد الغابہ ۴۸۹/۵؛ اصابہ میں صرف حضرت شیماء کا ذکر ہے بطور وہی جو اوپر آچکا۔ حضرت انیسہ کا ذکر ان کے ساتھ ہی آیا ہے جیسے دوسری روایات سیرت ونسب میں آیا ہے۔ نیز ترجمہ/ خاکہ حضرت عبداللہ بن حارث سعدی۔

(۲) ۹۷/۲ حاشیہ مولف بابت شق صدر

قدیم اور بنیادی مآخذِ سیرت میں بہت سی روایات ان دونوں طرح کے واقعات کو بیان کرتی ہیں لیکن ہمارے قدیم وجدید مولفینِ سیرت نے ان کو اپنے اپنے طریقے کے مطابق یا تو اختصار وانتخاب کے طریقے سے بیان کیا کہ کچھ کو اپنی کتب میں بار دیا تو کچھ کو چھوڑ دیا۔ دوسروں نے دوسری روایات بیان کیں۔ یہ دراصل ان کے علم واطلاع اور آگہی کے ساتھ ان کے موادِ سیرت کے انتخاب کے طریقہ پر بھی مبنی ہے۔ جدید مولفین سیرت نے بھی یہی طریقۂ انتخاب واخذ اختیار کیا کہ وہ اپنے پیشرؤوں کے پابند تھے۔ مزید یہ بھی بات ہے کہ وہ کامل کتابِ سیرت لکھنے جارہے تھے اور اس میں تمام روایات کو سمو بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر میں رسول اکرم ﷺ کے قیام کے تمام واقعات وکوائف اور حالات بیان کرنے بیٹھتے تو پوری ایک کتاب بن جاتی۔ لیکن اس کتاب میں تو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے حوالے سے تمام سیرِ نبوی کے بیان کا بیڑا اٹھایا گیا ہے، لہٰذا اپنی بساطِ بشری بھر تمام دستیاب مواد کو ممکنہ حد تک پیش کرنا فرض منصبی بن جاتا ہے۔ لہٰذا دونوں طرح کے واقعات الگ الگ عناوین کے تحت پیش ہیں۔

واقعاتِ مبشرات

سیرت نبوی کا ایک خاص باب مبشرات کا ہے۔ متعدد قدیم وجدید علماءِ سیرت نے ان پر پورے پورے دفاتر لکھے ہیں۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے حوالے سے ان کے گھر میں رسولِ اکرم ﷺ کے قیام کے زمانے کی بھی بہت سی بشارتیں ملتی ہیں۔ ان مبشراتِ خاص یا بشارت ہائے عام پر نقد واستدراک بھی کیا گیا ہے اور بہت سوں کو روایتی ودرایتی وجوہ سے مسترد بھی کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں ایک اصولی موقف صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام مبشرات جن کا ذکر قرآن مجید میں یا حدیثِ صحیح میں یا روایتِ معتبر میں ہے صحیح ہیں۔ دوسرا اصولی معیارِ تصحیح یہ بھی ہے کہ

وہ تمام مبشرات جو رسول آخر الزماں اور خاتم النبیین کی آمد وظہور کے بارے میں عمومی انداز سے آتی ہیں قابل اعتبار ہیں، لیکن رسول اکرم ﷺ کی بعثتِ واقعی سے قبل کاہنوں، یہودیوں، احبار اور ستارہ شناسوں کی وہ تمام روایات ومبشرات جو حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کی ذاتِ مبارک کی شخصی طور سے بشارت دیتی ہیں نہ صرف مشکوک ہیں بلکہ قطعی طور سے غیر صحیح ہیں۔ ان کے مسترد کرنے کے متعدد دلائل اور وجوہ ہیں، لیکن ان میں سے سب سے اہم یہ دلیلِ قرآنی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اپنی بعثت سے قبل خود بھی اپنے نبی بننے کا گمان تک نہ تھا اور دوسروں کو بھی نہ تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ کی ولادت کی شب کی مبشراتِ یہودی ہوں یا آپ ﷺ کے بچپن اور لڑکپن اور جوانی کی یہودی، نصرانی اور کاہنی بشارتوں کا معاملہ ہو وہ پایۂ استناد نہیں رکھتیں۔ وہ ضعیف ہی نہیں موضوع ہیں۔ البتہ بعض روایت پرست علماء وصلحاء نے تمام روایتی ودرایتی نقد وتنقید کے باوجود ان کو نہ صرف قبول کیا ہے بلکہ ان کی تصحیح بھی کی ہے۔(۱)

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے حوالے سے ایسی کئی روایاتِ بشارت کا ذکر مختلف کتابوں میں ملتا ہے جو قابلِ نقد ہیں۔ چونکہ ان کا تعلق رسول اکرم ﷺ کے تعلق وارتباطِ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے حوالے سے ملتا ہے لہٰذا ان کو ایک ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے۔ دونوں اصولی مواقف اور نظری معیارات کے تناظر میں ان کو جانچنے پرکھنے کی ضرورت ہے تاکہ سیرتِ نبوی کو دیو مالائی ہونے سے بچایا جاسکے۔ اور محض خوش عقیدتی کے لئے ان کو زیبِ داستان نہ بنایا جائے۔ یہ حقیقت بہر حال اپنی جگہ مسلم

(۱) امام شامی ۹۹/۳۸۶ نے ان تمام واقعات۔ مبشرات اور فطری واقعات۔ دونوں کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جدید سیرت نگاروں نے مولانا ادریس کاندھلوی نے سیرۃ المصطفیٰ کی تینوں جلدوں میں بالخصوص تیسری جلد کے اواخر میں ان کو جمع کر دیا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی سوم کے دو ابواب میں صحیح اور موضوع روایات پر بحث کی ہے اور محدثانہ نقطۂ نظر سے ان کے بارے میں نقد وتبصرہ سے کام لیا ہے۔

ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی شان وعظمت اور جلالت ومرتبت اور نبوی تقدس ومقام ان ضعیف ومنکر روایات کا محتاج نہیں ہے۔(۱)

دورانِ رضاعت حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے مکہ مکرمہ آمد سے متعلق بعض روایاتِ عجیب میں سے ایک وہ ہے جو امام کلاعیؒ نے امام واقدی کے حوالے سے بیان کی ہے اور دوسری بعض اہلِ علم کے حوالے سے بیان کی ہے۔ دودھ چھڑانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ جب رسول اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ لا رہی تھیں تو راستے میں حبشہ کے کچھ نصاریٰ نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا قریب آ کر آپ ﷺ کو خوب الٹ پلٹ کر جانچا پرکھا اور پھر آپس میں کہا کہ ہم اس بچے کو ضرور اپنے ملک لے کر جائیں گے کیونکہ اس بچے کی ایک بڑی شان ہونے والی ہے۔ اور ہم آپ ﷺ کے معاملے سے خوب واقف ہیں۔ حضرت حلیمہ آپ ﷺ کو ان سے بچا کر کسی طرح مکہ بھاگیں "أن نفرا من الحبشة نصارىٰ رأوه معها حين رجعت به بعد فطامه فنظروا إليه وسألوها عنه وقلبوه ثم قالوا لها: لنأخذن هذا الغلام فلنذهبن به إلى ملكنا وبلدنا فإن هذا الغلام كائن له شان نحن نعرف أمره......الخ" (کلاعی ۱/۲۳۷)

امام واقدی کی روایت سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ جب آپ ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس سے لے کر چلیں تو ذوالمجاز کے بازار گئیں اور آپ ﷺ ان کی گود میں تھے۔ اس زمانے میں ہوازن کا ایک قیافہ شناس (عراف) وہاں تھا جس کے پاس بچے لائے جاتے تھے اور وہ ان کو دیکھ کر ان کا حال بتاتا تھا۔ جب اس نے رسول ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ کی آنکھوں کی سرخی ملاحظہ

(۱) مثلاً ولادتِ نبوی کے ضمن میں بہت سی روایات ومبشرات کو ادریس کاندھلویؒ نے قبول کرلیا ہے جن میں محمد بن عبداللہ ﷺ کے نبی ہونے کی بشارت قبل ولادت ایک یہودی نے دی تھی۔ محمد نام رکھنے، عقیقہ اور ختنہ کے باب میں بھی ایسی روایات ہیں جن پر نقد کیا گیا ہے۔ ۱/۶۲۔۷۸ وغیرہ

کی اور خاتمِ نبوت کو ملاحظہ کیا تو چیخ پڑا: اے عرب کے لوگو! اور وہاں کے لوگ اس کے پاس اکٹھا ہو گئے۔ تب اس نے کہا کہ اس بچے کو قتل کر ڈالو۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ یہ سن کر آپ کو لے کر چپکے سے کھسک گئیں۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا: کس بچے کو کس بچے کو۔ تو وہ یہی چیختا رہا کہ اس بچے کو اس بچے کو۔ لوگوں کو کچھ نہ دکھائی دیا کیونکہ آپ ﷺ کی ماں آپ ﷺ کو لے کر جا چکی تھیں۔ بہر حال اس قیافہ شناس نے پیشگوئی کی کہ دیوتاؤں کی قسم! میں نے ایک لڑکے کو دیکھا جو تمہارے دین والوں پر غالب ہو جائے گا، تمہارے بتوں کو توڑ ڈالے گا اور اس کا پورا تسلط تم سب لوگوں پر ہو جائے گا۔ آپ ﷺ کی تلاش عکاظ تک کی گئی مگر آپ کا سراغ نہ ملا کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ آپ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیرے واپس جا چکی تھیں۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ آپ ﷺ کو کسی شخص کے سامنے نہیں جانے دیتی تھیں۔ لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ ان کے علاقے میں ایک قیافہ شناس (عراف) وارد ہوا اور مقامی لوگ اپنے بچوں کو اس کے ملاحظہ کے لئے لے گئے، لیکن حضرت حلیمہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، اسی دوران وہ آپ ﷺ کی طرف سے ذرا غافل ہوئی تھیں کہ آپ ﷺ خیمہ گاہ (المظلۃ) سے باہر تشریف لے آئے اور قیافہ شناس نے آپ ﷺ کو دیکھ کر اپنے پاس بلایا مگر آپ ﷺ نے انکار فرما دیا اور خیمہ میں واپس تشریف لے گئے۔ اس نے بہت کوشش کی کہ آپ ﷺ کو اس کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا جائے مگر حضرت حلیمہ نے انکار ہی کیا۔ بہر حال اس نے کہا یہ تو نبی ہیں"۔ (۱)

امام کلاعی نے ایک بعد کے واقعہ کو بیان کر کے پھر حضرت حلیمہ سعدیہ کا قصہ بیان کیا ہے جو مبشرات ہی کی نوعیت کا ہے۔ مکہ مکرمہ سے واپسی کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ رسول اکرم ﷺ کو زیادہ دور نہیں جانے دیتی تھیں اور ہر دم اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتی تھیں۔ ایک دن دوپہر کے وقت وہ ذرا غافل ہوئی تھیں کہ آپ ﷺ اپنی

(۱) کلاعی ۱/۲۳۷۔۲۳۸: نیز حلبی ۱/۱۰۰

رضاعی بہن کے پاس باہر پہونچ گئے۔ جیسے ہی حضرت حلیمہ کو احساس ہوا وہ آپ ﷺ کی تلاش میں نکلیں تو بہن کے پاس دیکھا جو دھوپ سے تپ رہی تھیں۔ رضاعی بہن نے اپنی ماں سے کہا کہ میرے پاس تو سایہ نہ تھا مگر میرے بھائی پر دھوپ نہ تھی۔ میں نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھا کہ وہ آپ پر سایہ فگن تھا۔ آپ رک جاتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا اور آپ چل پڑتے تو وہ بھی چلنے لگتا، یہاں تک کہ وہ اس جگہ تک آ گیا۔ ماں نے پوچھا: کیا یہ سچ ہے بیٹی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم بالکل سچ ہے۔ تب حلیمہ سعدیہؓ نے فرمایا: میں اپنے بیٹے پر کسی بھی شر کے سایہ فگن ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں''۔(۱)

مختلف سیرت نگاروں نے بالخصوص امام حلبیؒ نے خانۂ حلیمہ سعدیہؓ کے قیام کے زمانے کے اور دوسرے واقعات بیان کئے ہیں:

والدہ حضرت حلیمہؓ کی گود میں تشریف فرماتے کہ ان کی بکریوں کا ریوڑ سامنے سے گزرا تو ایک بکری الگ ہو کر سامنے آئی اور اس نے آپ ﷺ کے سامنے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے سرِ اقدس کو چوما اور پھر اپنی ساتھیوں سے جا ملی۔ بعد کی زندگی کے ایسے اور واقعات بیان کئے ہیں۔

رضاعی ماں کا ایک اور بیان ہے کہ آپ ﷺ پر روزانہ نورِ آفتاب کی مانند ایک نور اترتا تھا اور پھر چلا جاتا تھا۔

صاحبِ قصیدہ ہمزیہ کے حوالے سے ان کے اشعار میں اور اپنی نثر میں امام حلبیؒ نے زمانۂ رضاعت کے دوسرے معجزات رونما ہونے کا ذکر کیا ہے۔(۲)

فطری واقعات

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی اولین عمر شریف کے پانچ سال حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں گزارے۔ اس دوران آپ ﷺ کی جسمانی نشو و نما ہوئی۔

(۱) کلاعی ۱/۲۳۹؛ ابن سید الناس ۱/۵۲

(۲) حلبی ۱/۹۰-۹۱

آپ ﷺ نے چلنا بولنا سیکھا، مادری عربی زبان کی سیکھ پائی، بچوں کے کھیل کود کھیلے، بعض ہنر اور کام پہچاننے اور سیکھے، اور رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ انسانی حسنِ معاشرت کے پہلے اسباق پڑھے۔ یہ تمام فطری واقعات اور نشو ونما کے احوال ہیں جو تمام بچوں کے ساتھ قدرت کے قوانینِ فطری کے تحت پیش آتے ہیں لیکن انھیں خاص فطری الٰہی قوانین کے تحت انبیائے کرام کی سنتِ نشو ونما کے مطابق آپ ﷺ کے احوال وکوائف اور حالات وواقعات نرالی شان والے تھے۔

اولین برکاتِ نبوی سے متعلق ابن اسحاق وغیرہ کی روایت میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا ایک مختصر بیان آپ ﷺ کی غیر معمولی اٹھان کے متعلق ہے۔ فرماتی تھیں کہ آپ ﷺ کی نشو ونما عام بچوں کی نشو ونما کی مانند نہ تھی۔ آپ ﷺ دو سال کے نہ ہوئے تھے مگر خوب تندرست وتوانا اور بڑے لگتے تھے۔ مولانا مودودی وغیرہ نے اس کی ایک تعبیر یہ کی ہے کہ ایسا لگتا تھا کہ جیسے چار برس کا ہو یعنی اپنی عمر طبعی سے دوگنے لگتے تھے۔ مگر ابن اسحاق وغیرہ کی روایات میں صرف آپ کی غیر معمولی اٹھان اور صحت وتندرستی کا ذکر ہے: ''وكان يشب شبابا لا شبه الغلمان، فلم يبلغ سنتيه حتى كان غلاما جفرا''(۱)

غیر معمولی نشو ونما اور دوسروں سے زیادہ عمدہ اٹھان کا واقعہ بالکل فطری ہے۔ بالعموم بعض بچوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ ان کی خاندانی غزارت، جسمانی طبعی نشو ونما، دودھ وخونِ صالح کی کارفرمائی، عناصر کا اعتدال اور ان جیسے دوسرے اسباب ان کو یہ غیر معمولی ساخت وصلابت اور ارتقاء بخش دیتے ہیں۔ دوسرے انبیاء کرام کی نشو ونما بالعموم غیر معمولی ہوتی ہے جیسا کہ حضرات موسیٰ ویوسف

---

(۱) ابن ہشام ۱/۱۶۴؛ سہیلی ۲/۱۴۷ وما بعد؛ کلاعی ۱/۲۳۴؛ ابن سید الناس ۱/۹۴؛ حلبی ۱/۹۰ وما بعد؛ مودودی ۲/۷۷؛ مبارکپوری۔ ۸۶: ''یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح بڑھ رہا تھا کہ دو سال پورے ہوتے ہوتے وہ کڑا اور گٹھیلا ہو چلا۔

وغیرہ علیہم السلام کی نشوونما کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے اور تیسرے رسول اکرم ﷺ کی احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں کہ آپ ﷺ کو دوسروں ۔ دوسرے انسانوں ۔ کے مقابلے میں غیر معمولی قوت عطا فرمائی گئی تھی اور خاتم الانبیاء ہونے کے ناطے دوسرے انبیاء پر بھی فضیلت رکھتے تھے۔

امام حلبیؒ نے متعدد مآخذ کی روایات رسول اکرم ﷺ کی اٹھان اور نشوونما کے بارے میں جمع کر دی ہیں جیسا کہ ان کا دستور ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے حوالے سے اور ان کے گھر میں قیام و پرورشِ نبوی کے متعلق جو روایات و واقعات بیان کئے ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں۔

● رسولِ اکرم ﷺ جب دو ماہ کے ہوگئے تو جس جانب سے چاہتے تھے دودھ پی لیتے تھے۔

● جب عمر شریف آٹھ ماہ کی ہوئی تو بولنے لگے اور آپ ﷺ کا بول سنا جاتا تھا "کان یتکلم بحیث یسمع کلامه"۔

● نو ماہ کی عمر تک پہونچتے پہونچتے کلامِ فصیح بولنے لگے تھے: "ولما بلغ تسعة أشهر کان یتکلم بالکلام الفصیح"

● دس ماہ کی عمر مبارک میں بچوں کے ساتھ تیر اندازی کرنے لگے: "لما بلغ عشرة أشهر کان یرمی السهام مع الصبیان"

● حضرت ابن عباسؓ کی سند پر یہ روایت بیان کی ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے جو اولین کلام فرمایا اس کے الفاظ تھے: "الله اکبر کبیرا والحمدلله کثیرا وسبحان الله بکرة واصیلا"۔

● ایک روایت کے مطابق بعض راتوں میں رسول اکرم ﷺ کے اولین کلام کے الفاظ تھے: "لا اله الا الله قدوسا قدوسا، نامت العیون والرحمٰن

لاتأخذه سنة ولانوم"

● اسی طرح رسول اکرم ﷺ جب کوئی چیز چھوتے تو بسم اللہ ضرور کہتے تھے۔

● حضرت حلیمہ سعدیہ کا یہ بھی بیان ہے کہ جب میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے مکان پر پہونچی تو تمام مکاناتِ بنی سعد میں مشک کی خوشبو پھیل گئی اور اس سے رسول اکرم ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی برکت کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ نوبت یہ ہوئی کہ کسی شخص کو کوئی جسمانی تکلیف پہونچتی تو رسول اکرم ﷺ کا ہاتھ مقامِ تکلیف پر رکھ لیتا اور وہ تکلیف جاتی رہتی۔ اسی طرح ان کی بکریاں اور اونٹ بھی لمسِ نبوی سے شفایاب ہوجاتے تھے۔(۱)

چرواہی

سنت انبیاء کرام کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے بھی بکریوں/مویشیوں کی چرواہی (رعی الغنم) کا کام کیا جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ بالعموم ان میں مکی دور کے لڑکپن کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے اور اس کے آغاز کا ذکر ذرا کم ہی ملتا ہے۔ روایاتِ سیرت اور تشریحاتِ محدثین بتاتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے خانۂ مبارک کے قیام و پرورش کے زمانے میں ہی اوائل عمر سے یہ قومی کام سیکھا تھا۔ عرب شہری ہوں یا بدوی، وہ دودھاری مویشی اور دوسرے جانور ضرور پالتے تھے۔ کیونکہ ان کی غذا کا ایک بڑا حصہ دودھ پر مشتمل ہوتا تھا۔ وہ بکری، بھیڑ اور اونٹنی کے دودھ پر زیادہ تر مشتمل ہوتا تھا اور گائے کے دودھ پر بھی۔(۲)

---

(۱) حلبی ۱/۹۰ نیز ۹۴: رضاعی بھائی بہنوں اور دوسرے بچوں بچیوں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے کھیلنے کا بھی ذکر واضح طور پر کیا گیا ہے۔ اگرچہ بسا اوقات ان کے کھیلوں سے آپ ﷺ اپنے بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں دور دور رہتے تھے۔

(۲) ابن اسحاق ۱/۷۔۱۶ نیز ما قبل و مابعد؛ سہیلی ۲/۱۸۰؛ بخاری اور فتح الباری کے ابواب رعی الغنم کی مختلف احادیث جن کا زمانہ بعد کا مکی دور کا ہے، لیکن بعض تشریحات میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں قیام کے زمانے کا حوالہ بھی آجاتا ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی روایتِ برکات نبوی میں ان کی اور ان کے شوہر نامدار کی دودھاری اونٹنی کا ذکر آچکا ہے اور منازل بنی سعد بن بکر میں ان کے مویشی کے ریوڑ کا بھی اور دوسرے سعدی اور ہوازنی خواتین وحضرات کے مویشیوں کا بھی ذکر آچکا ہے اور اسی کے ساتھ ان کی چرواہی اور ان کے چرواہوں کا۔ اور اس کے علاوہ چرواہی کے صبح وشام کے روزانہ معمولات کا بھی۔ اس چرواہی کے ماحول میں رسول اکرم ﷺ نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے اپنے بڑے رضاعی بھائی بہنوں کو چرواہی اور گلہ بانی کرتے دیکھا اور عمر شریف کو پہونچے تو بنفس نفیس آپ ﷺ نے انھیں رضاعی برادروں اور ہمشیروں کے ساتھ بلکہ ان سے چرواہی سیکھی۔

امام حلبیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ ایک دن جب آپ ﷺ بڑے ہو چکے تھے۔(تـرعـرع) تو باہر نکلے اور بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا اور وہاں اپنے رضاعی بھائی بہنوں کو نہ پایا تو ماں سے ان کی غیر موجودگی کا سبب پوچھا۔ حضرت حلیمہ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ آپ اپنے رضاعی بھائی بہنوں۔ عبداللہ اور انیسہ وشیماء۔ کو دن میں اس لئے نہیں دیکھتے کہ وہ دن بھر اپنے مویشیوں کو چرانے لے جاتے ہیں اور شام ہی کو آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ماں سے کہا کہ مجھے بھی ان کے ساتھ بھیجا کیجئے، لہٰذا آپ ﷺ ان کے ساتھ خوش خوش جاتے تھے اور خوش خوش واپس آتے تھے۔ رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ آپ کے چرواہی کے کام کا ذکر دوسرے مواقع پر بھی ملتا ہے۔ بعض متاخر اور متقدم سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کی چرواہی کے آغاز کا زمانہ دودھ چھڑانے کی مدت کے چند ماہ بعد کا یعنی ڈھائی سال کی عمر کا قرار دیا ہے۔(۱)

(۱) حلبی ۱/۹۳-۹۴: کاندھلوی ۱/۶۷: ''حلیمہ آپ کو لے کر بنی سعد واپس آگئیں۔ چند ماہ گزرنے کے بعد آپ بھی اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے جانے لگے'' مولانا موصوف نے مارے احتیاط کے بہنوں کا ذکر نہیں کیا۔

زبان دانی

بلاشبہ رسول اکرم ﷺ نے چلنے دوڑنے پھرنے کے ساتھ بولنے کی صلاحیت اول اول حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر میں ہی پائی۔ لیکن اس ضمن میں یہ فطری اصول اور قاعدہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ بچپن سے لڑکپن تک کی کچی عمر میں ایک بچہ صرف مادری زبان ہی سیکھتا ہے۔ اس کی زبان و بیان میں طلاقت بھی آجاتی ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کا محاورہ اس پر بالکل صحیح طور سے صادق آتا ہے۔ مگر اس تحصیلِ زبان و بیان اور صلاحیتِ اظہار مافی الضمیر کے زمانے میں وہ زبان کے اسرار و رموز، قواعد و اصول سے ہرگز واقف نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے کہ ان کی تحصیل و تعلم کا زمانہ شعور و ادراک کی پختگی کا زمانہ ہوتا ہے جو عمر کے اقبال کے بعد ہی اسے نصیب ہوتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی فصاحت و بلاغتِ غیر معمولی کے لئے بالعموم ہمارے بیشتر مآخذ اور دوسرے مؤلفینِ سیرت ایک حدیثِ نبوی کو بلا نقد و تجزیہ نقل کر دیتے ہیں۔ اس کے مطابق رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک تھا کہ میں افصح العرب ہوں کیونکہ میں ایک قریشی ہوں اور میری رضاعت بنو سعد بن بکر میں ہوئی تھی "أنـــا أعـربـكـم، أنا قرشي، واسترضعت في بني سعد بن بكر" اس حدیث صحیح کی دوسری اطراف بھی ملتی ہیں۔ اور ان سب کا مفہوم یہی ہے۔ بلاشبہ یہ حدیث صحیح ہے ہر لحاظ سے، روایتی طور سے بھی اور درایتی لحاظ سے بھی، مگر عام سیرت نگار جس طرح اس حدیثِ صحیح کو اس کے صحیح تناظر کے باہر نقل کرتے ہیں اس سے تاثر ہوتا ہے کہ نبوی زباندانی کا سارا شرف رضاعتِ سعدی کو جاتا ہے یا بنو سعد بن بکر کی زبان عربی کو، جس کے اولین نقش رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر ثبت ہوئے تھے۔(۱)

---

(۱) ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۶۷؛ سہیلی ۲/۱۸۰؛ محققین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے؛ ابن سید الناس ۱/۵۳ صرف رضاعت کا حوالہ کلاعی ۱/۲۳۶ صرف رضاعت؛ حلبی ۱/۸۹؛ شبلی ۱/۱۷۲، حاشیہ۔۲ بحوالہ سہیلی ۱/۱۷۴؛ کاندھلوی ۱/۷۰ بحوالہ روض الانف ۱/۱۰۹؛ مودودی ۲/۹۸۔

دراصل اس فرمانِ نبوی کے دو پہلو یا دو جہات ہیں: اور ان میں سے اول جہت یعنی آپ ﷺ کا قریشی ہونا زیادہ اہم ہے بلکہ اسی کو شرفِ اکبر حاصل ہے۔ قریش کی زبان پورے عرب میں فصیح ترین سمجھی جاتی تھی اور اسی وجہ سے قرآن مجید یعنی کلامِ الٰہی قریشی زبان میں اترا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا اصل سرچشمہ وہی قومی زبان عربی مبین ہی تھی البتہ بنوسعد بن بکر کی زبانِ فصیح و بلیغ نے آپ ﷺ کی زبان دانی میں چار چاند لگا دیے تھے جیسے سونے پر سہاگہ اس کی چمک بڑھا دیتا ہے۔ فصاحت و بلاغتِ نبوی کی ان دونوں جہات کو ان کے صحیح تاریخی ولسانی تناظر میں پیش کرنا اور ان سے صحیح نتیجہ اخذ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

رضاعی بھائی بہنوں سے تعلقِ خاطر

رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی محبت و شفقت اور مادرانہ پرورش نے ان کی اولاد کو بھی آپ ﷺ سے ایک خاص تعلقِ خاطر پیدا کر دیا۔ رضاعی ہم عمر اور ہم شیر بھائی حضرت عبداللہ بن حارث سعدیؓ کو یہ محبت و تعلق خاطر ماں کے دودھ سے اشتراک اور ماں کی آغوش میں ساتھ ساتھ بیٹھنے کی سعادت سے ملا تھا، لیکن وہ کمسن ہونے کے سبب بعد میں رسول اکرم ﷺ کے حبیب بنے تھے۔ آپ ﷺ کی بڑی بہنوں۔ انیسہ اور شیماء رضی اللہ عنہما۔ اور غالباً دوسرے بھائی کی محبت و شفقت اول روز سے مل گئی تھی اور یہ ان کی خوش بختی تھی کہ انھوں نے رسول آخر الزماں ﷺ کی خدمت و محبت کی دولت پائی اور محبتِ نبوی کے صحیح طور سے مصداق بنے تھے۔

ان تمام رضاعی بھائی بہنوں میں حضرت شیماء/ خدامہ بنت حارث سعدی رضی اللہ عنہ کا کردارِ محبت و خدمت گزاری نمایاں ترین ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ راویوں نے ان کے بارے میں بعض روایات زیادہ محفوظ رکھی ہیں اور دوسروں کے بارے میں بھلا دی ہیں یا نظر انداز کر دیں۔ ظاہر ہے کہ تمام بڑے اور عمر دراز بھائی بہن

آپ ﷺ کا لاڈ پیار کرتے تھے اور آپ ﷺ کو گودوں کھلاتے اور پیار کے جھولے جھلاتے تھے۔ لیکن حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کے بارے میں بڑی قطعیت کے ساتھ روایات آتی ہیں کہ وہ آپ ﷺ کو اکثر و بیشتر گود میں کھلایا کرتی تھیں۔ "ویذکرون أن الشیماء کانت تھننه مع أمھا، إذا کان عندھم" یہ ابن اسحاق/ ابن ہشام کی بنیادی روایت ہے جسے دوسروں نے بھی ذکر کیا ہے۔ بلاذری کے الفاظ ہیں: "کانت الشیماء تحمل النبی ﷺ وتقوم علیه مع أمھا حلیمة" انھیں الفاظ میں دوسری روایات بھی ہیں۔(۱)

ان ہی حضرت شیماء کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار وہ رسول اکرم ﷺ کو گود میں لئے کھلا رہی تھیں اور برابر گدگدی کرتی جا رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے زچ ہو کر ان کے شانے پر دانتوں سے کاٹ لیا جس کا نشانِ محبت رہ گیا تھا۔ اس کا ذکر بالعموم مؤلفینِ سیرت واقعہ/غزوۂ حنین کے حوالے سے وہاں کرتے ہیں۔ جب کہ اس کا صحیح تاریخی تناظر حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی پرورش کا زمانۂ بچپن ہے۔ البتہ بلاذری نے اسی جگہ۔ صحیح جگہ۔ ذکر کیا ہے: "...... وسبیت یوم حنین...... قالت: إني أختك وکنت عضضتني وأنا أھننك مع أمي......"(۲)

معجزۂ شق صدر

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعت و پرورش کے پانچ سالہ زمانے کے دوران بہت سے معجزات وخوارق کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے متعدد روایات بلاسند ہیں یا ان

(۱) ابن ہشام ۱/۱۶۱؛ سہیلی ۲/۱۴۵، ۱۶۲۔۱۶۳؛ مودودی ۲/۹۸: ان میں حلیمہ کی وہ لڑکی شیماء بھی شامل تھی جو بچپن میں حضور کو گود میں لئے پھرتی تھی......"؛ مبارکپوری، ۸۴؛ نیز بلاذری ۱/۹۳

(۲) مبارکپوری، ۶۵۲، نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا، صرف حوالہ دیا ہے، شبلی ۱/۵۴۰۔۵۴۱ نے بڑی خوبصورتی سے یہ واقعہ بحوالہ ابن سعد، اصابہ وطبری ۳/۱۶۶۸ بیان کیا ہے؛ کاندھلوی ۳/۶۵ نے اگرچہ حوالہ اصابہ کا دیا ہے لیکن پوری عبارت وتعبیر شبلی سے مستعار ہے جو ان کا عام دستور بھی ہے؛ بلاذری ۱/۹۳ نے ابن الکلبی کے حوالہ سے نشانِ محبت دکھلانے کا دوسرا واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

کو روایت و درایت کے لحاظ سے کمزور و ضعیف اور مشتبہ و غیر معتبر بھی سمجھا گیا ہے لیکن ان میں سے سب سے بڑا معجزہ شق صدر کا ہے جو تمام علماء اسلام اور مولفینِ سیرت کے نزدیک انتہائی معتبر و صحیح ہے۔ اس کی صحت و معتبریت کی سب سے بڑی دلیل صحیح احادیث میں اس کی روایت اور محدثینِ کرام اور علماءِ اسلام کی توثیق و تائید ہے۔ اس کی روایات بھی کافی ہیں اور ان کے تعدد نے بھی اس کو استحکام و تقویت بخشی ہے جو حدیث کی تقویت کا ایک محدثانہ اصول ہے۔

روایاتِ حدیث و سیرت کا بہرحال اس امر پر اختلاف ہے کہ اس معجزۂ الٰہی کے وقت رسول اکرم ﷺ کی عمر کیا تھی؟ بعض نے چار سال اور بعض نے پانچ برس کہی ہے، اور بعض نے چھ برس کے سن کا واقعہ قرار دیا ہے۔ عمروں کے اختلاف کا اصل معاملہ یہ ہے کہ یہ معجزۂ الٰہی حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے خانۂ مبارک میں قیامِ نبوی کے بالکل اواخر میں پیش آیا تھا اور اسی نے آپ ﷺ کو مادرِ شفقت کی گود میں واپس پہونچایا تھا۔ اب جس راوی اور مولف کا جو خیال آپ کی واپسی مکہ کے سنہ اور وقت کے بارے میں ہے وہی اس واقعہ کی تاریخ ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک بہرحال اس معجزۂ نبوی و الٰہی کے ظہور کے وقت رسول اکرم ﷺ کی عمر شریف پانچ سال کی تھی۔

بنیادی اور قدیم ترین روایت تو امام ابن اسحاق کی ہے، لیکن اس میں سیدہ آمنہ کے پاس سے واپسی کے صرف چند ماہ کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے چھوٹی چھوٹی بھیڑ بکریوں کے باڑے میں کھیل رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے مجھ سے اور اپنے باپ سے کہا کہ میرے اس قریشی بھائی کو دو مردوں نے جو سفید پوش ہیں پکڑ لیا ہے۔ اور اسے لٹا کر اس کا پیٹ چیر دیا ہے اور اب وہ دونوں اس کو سوت رہے ہیں۔ حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ میں اور آپ ﷺ کے باپ آپ کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو کھڑے ہوئے پایا اور آپ کا چہرہ متغیر تھا۔ ہمارے استفسار

پر آپ ﷺ نے پورا واقعہ بیان کیا کہ دو سفید پوش مرد میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ چیرا اور اس میں کچھ تلاش کرتے رہے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی! حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ ہم آپ ﷺ کو لے کر اپنے خیموں میں آ گئے:

"...... قال ﷺ: جاء نی رجلان، علیهما ثیاب بیض فأضجعانی، وشقا بطنی، فالتمسا (فیه) شیئا لا أدری ما هو......" امام ابن اسحاق/ابن ہشام کی روایت کی بہت مفصل شرح امام سہیلی نے کی ہے۔ اس میں متعدد مآخذِ سیرت وحدیث سے کئی احادیث وروایات نقل کی ہیں اور ان کی تشریح کی ہے۔

سردست شقِ صدر کے معجزہ کی حقیقت اور اس کی تفصیلات سے بحث نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق رسالت کی قبل بعثت زندگی میں اللہ تعالیٰ کے اسرارِ نظامِ تزکیہ وتطہیر سے ہے۔ امام سہیلی اور دیگر محدثین ومولفینِ سیرت کے ہاں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ (۱)

(۱) ابن ہشام ۱/۱۶۴-۱۶۵؛ سہیلی ۲/۱۶۸-۱۷۸: تمام واقعات شقِ صدر کا ذکر اور ان کی حکمتوں پر بحث شامل ہے؛ کاندھلوی ۱/۸۳-۸۵ اور دوسرے علماء کرام نے چار بار شقِ صدر کی روایات کو تسلیم کیا ہے اور ان کی حکمتوں کا سراغ لگایا ہے: ان کی اصل بحث کا ماخذ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری ہے؛ فتح الباری کے علاوہ دوسرے مآخذ ہیں: مجمع الزوائد ۸/۲۲۱؛ تہذیب ۱/۴۷۴-۴۷۵؛ زرقانی ۱/۱۶۱؛ ابن سعد ۱/۹۷؛ الخصائص الکبریٰ، ۱/۵۵؛ ابن کثیر، ابونعیم، ابن طقن کی شرح بخاری مخطوطہ، قسطلانی، بحوالہ زرقانی؛ فتح الباری ۶/۶۸۶ ومابعد؛ بخاری کی کتاب المناقب کا باب خاتم النبوۃ، حدیث: ۳۵۴۱ کے تحت بحث شقِ صدر، نیز باب المعراج، فتح الباری ۷/۲۵۲-۲۵۷ ومابعد: اصل اور اولین شقِ صدر کا واقعہ بنو سعد میں آپ ﷺ کی پرورش کے زمانے میں آپ کے بچپن میں پیش آیا: "إنما كان ذلك وهو صغير في بني سعد"۔ نیز دوسرے مباحث: طبری ۲/۱۶۰-۱۶۳؛ حلبی ۱/۹۶-۹۹؛ مبارکپوری ۸۷، میں مسلم کے باب الاسراء کے حوالے سے لکھا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل تشریف لائے۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریل نے آپ کو پکڑ کر پٹخا اور سینہ چاک کر کے دل نکالا، پھر دل سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا: یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے۔ پھر دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہونچے اور کہنے لگے: محمد کو قتل کر دیا گیا۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے۔ دیکھا تو آپ کا رنگ اترا ہوا تھا"۔

زمانۂ رضاعت میں مکہ آمد

دو سالہ مدتِ رضاعت سے متعلق روایات ہوں یا خانۂ حلیمہ سعدیہ میں پانچ سالہ قیام کی روایات، ان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ان دونوں عرصوں میں بنو سعد بن بکر کے علاقے میں ہی سکونت پذیر رہے اور مکہ مکرمہ تشریف ہی نہیں لائے۔ مآخذ و مصادر کی ان روایات سے پیدا ہونے والے اس غیر حقیقی تاثر کو پختہ کرنے میں جدید مولفینِ سیرت نے اپنے غیر تجزیاتی بیانات سے اور بھی حصہ لیا اور چند ایک بلکہ ایک آدھ کے سوا کسی نے یہ نہ بتایا کہ اس دوران رسول اکرم ﷺ کو ماں، دادا اور دوسرے عزیزوں سے ملانے اور ان کی زیارت کرانے کے لئے حضرت حلیمہ سعدیہؓ ان کو پابندی سے مکہ مکرمہ لایا کرتی تھیں۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے بہر حال بڑے وثوق و جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ "وہ ہر چھٹے مہینے لا کر ان کی والدہ اور دیگر اقرباء کو دکھا جاتی تھیں" (۴۱/۱) لیکن قاضی موصوف نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ یہ بہر حال قطعی ہے کہ ان کی معلومات کا کوئی نہ کوئی ماخذ ضرور ہے جو تحقیق طلب ہے۔ بہر حال یہ تبصرہ بالکل صحیح ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ رسول اکرم ﷺ کو دادا، ماں اور دوسرے اعزہ سے ملانے کے لئے کچھ ماہ بعد مکہ ضرور لاتی تھیں۔ اس طرح دورانِ رضاعت اور پانچ سالہ قیام کے زمانے میں آپ ﷺ دس بارہ مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے۔ اور یہ خاصا فطری معاملہ ہے۔ اگر چہ روایات میں مذکور نہیں ہے تاہم اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ کے دادا، اور دوسرے اعزہ بھی کبھی آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے بنو سعد میں بھی جاتے تھے۔

انھیں علاقہ بنی سعد اور مکہ مکرمہ کے درمیان آمد و رفت سے متعلق بعض روایات بڑی دلچسپ قسم کی ملتی ہیں ان میں مبشرات کی بعض روایات بھی ہیں اور بعض تاریخی واقعات بھی نظر آتے ہیں جو واقعی اور فطری معلوم ہوتے ہیں اگر چہ ان کا پایۂ

استناد کمزور ہے۔ قدیم مولفینِ سیرت میں امام حلبیؒ کے بقول امام واقدی نے رسول اکرم ﷺ کی مکہ آمد کے بارے میں بحث کی ہے اور امام حلبیؒ نے بھی اس کی بحث میں اپنی تنقیح پیش یا شامل کی ہے۔ موخر الذکر کی بحث و تنقیح کا خلاصہ ذیل میں بطور نکات حاضر ہے:

- بارِ اول حضرت حلیمہؓ نے رسول اکرم ﷺ کو آپ کی ماں کے پاس دودھ چھڑانے کے بعد دو سال کی عمر میں پہونچایا۔
- واقدی کے بقول حضرت حلیمہؓ نے آپ ﷺ کو ماں کے پاس اس وقت پہونچایا جب آپ ﷺ کے سرِ اقدس پر بادل کو سایہ فگن پانے کا واقعہ ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو سال میں دودھ چھڑانے کے بعد کا دوسرا معاملہ ہے اور شقِ صدر سے قبل کا کہ یہ دوسرا قدوم تھا اور اس وقت عمر شریف دو سال اور چند ماہ کی تھی۔ اسی کی بنا پر چند ماہ، دو ماہ یا تین ماہ بعد واپس کرنے کی روایاتِ ابن اثیر صحیح ہو جاتی ہیں۔
- تیسری بار رسول اکرم ﷺ کی مکہ آمد کا واقعہ شقِ صدر کے معجزہ کے بعد ہوا جب کہ آپ ﷺ کی عمر چار، پانچ یا چھ سال کی تھی۔ امام حلبیؒ نے لکھا ہے کہ بعض اہلِ علم پر معاملہ مشتبہ ہو گیا لہٰذا انھوں نے تیسری قدوم کو دوسرا سمجھ لیا، لہٰذا اس پر غور کر کے قبول کرو محض تقلید میں قبول نہ کرلو۔ (حلبی ۱/۱۰۳)

حضرت حلیمہؓ کے گھر سے واپسی

واقعۂ شقِ صدر نے حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر حضرت حارثؓ کو آپ ﷺ کے بارے میں سخت تشویش میں مبتلا کر دیا۔ دونوں نے باہمی مشاورت سے طے کر دیا کہ رسول اکرم ﷺ کو ان کے گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے قبل اس کے کہ کوئی ناشدنی ہو جائے۔ ابن اسحاق/ ابن ہشام اور دوسرے تمام مولفینِ سیرت نے بہ اتفاق بیان کیا ہے کہ دونوں رسول اکرم ﷺ کو لے کر مکہ آئے اور ماں

حضرت آمنہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت آمنہ کو حیرت بھی ہوئی اور اس کا اظہار فرمایا کہ حلیمہ تم تو بچے کو اپنے پاس رکھنے کی بڑی حریص تھیں پھر ایسا کیا ہوا کہ بغیر طلب آپ کو واپس لے آئیں۔ حضرت حلیمہؓ نے جواب میں عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے میرے بچے کو بڑا کر دیا اور میں نے اپنی ذمہ داری نبھا دی۔ اب مجھے کچھ خدشات لاحق ہوگئے لہٰذا آپ کو میں آپ کے پاس لے آئی، جیسا کہ آپ بھی چاہتی تھیں۔ حضرت آمنہ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہوئی۔ سچ سچ کہو کہ کیا ماجرا ہے۔ ان کا اتنا اصرار بڑھا کہ مجھے خبر دینی ہی پڑی۔ حضرت آمنہ نے دریافت فرمایا کیا تم کو آپ کے خلاف شیطان کا خوف ہے؟ حضرت حلیمہ نے جب ہاں کہا تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! شیطان کے لئے آپ کے باب میں کوئی راستہ نہیں، میرے فرزند کی تو شان ہی نرالی ہے۔ کیا میں تم کو ان کی خبر نہ سناؤں اور پھر ولادتِ نبوی کے وقت ارضِ شام کے مقام بصریٰ کے محلات کا نورِ نبوی میں روشن ہونے اور حملِ نبوی کی خفت اور ولادت کے وقت سجود وغیرہ کے معجزات ان کو سنائے اور ان کو بہ اطمینان رخصت ہونے کو کہا۔(۱)

ابن اسحاق نے بعض اہل علم کی ایک مبینہ روایت اور اس باب میں نقل کی ہے۔ جب رسول اکرم ﷺ کی سعدی ماں آپ کو لے کر مکہ آئیں تو جب وہ آپ ﷺ کے اہل و خاندان والوں کے پاس آ رہی تھیں تو راستے میں آپ ﷺ کو کھو دیا۔ بہت تلاش کیا مگر آپ ﷺ نہ ملے تو جناب عبدالمطلب ہاشمی کو آ کر پورا قصہ سنایا کہ رات میں محمد (ﷺ) کو لے کر پہونچی اور جب بالائی مکہ (اعلی مکۃ) پہونچی تو ان کو کھو دیا اور اب نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہیں۔ عبدالمطلب ہاشمی کعبہ کے پاس کھڑے

---

(۱) ۱/۱۶۵؛ نیز دیگر اہل سیر: مودودی ۲/۹۷۔ ۹۸؛ ادریس کاندھلوی ۱/۸۵؛ صفی الرحمن مبارکپوری۔ ۸۷؛ شبلی نے شق صدر کا معجزہ لکھا ہے اور نہ آپ ﷺ کی گھر واپسی کی وجہ لکھی ہے۔ یہی قاضی سلیمان منصور پوری کے بیانیہ میں بھی ہے۔ اہل سیر میں سے جس نے شق صدر کا یہ واقعہ لکھا ہے اس نے وجہ بھی لکھی ہے۔

ہوکر اللہ تعالیٰ سے آپ کو واپس کرنے کی دعا کرنے لگے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت ورقہ بن نوفل نے اور ایک دوسرے شخص نے ڈھونڈھ نکالا اور عبدالمطلب کے پاس لاکر سپرد کر دیا۔ بہرحال ابن اسحاق کے شارح سہیلی کے مطابق حضرت حلیمہ نے رسول اکرم ﷺ کو آپ کی والدہ کے سپرد جب کیا تو آپ کی عمر شریف پانچ سال اور ایک ماہ تھی جیسا کہ ابوعمر کا خیال و بیان ہے۔(۱)

بنوسعد میں پرورشِ نبوی کی مدت

دین حنیفی اور شریعتِ اسلامی دونوں کے مطابق نومولود بچے کی رضاعت کی مدت ولادت کے بعد صرف دو سال تک رہتی ہے۔ عرب جاہلی روایات اور رضاعتِ جاہلی کے واقعات بلاشبہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ دو سال کی مدت پوری ہوتے ہی بچوں کا دودھ چھڑا دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد کی رضاعت کا کوئی دینی، قانونی اور اسلامی اعتبار نہ تھا۔ جاہلی عرب اس قانونِ رضاعت پر عمل پیرا تھے۔ عہد نبوی کی رضاعت کے تمام واقعات سے بالعموم اور رسول اکرم ﷺ کی رضاعتِ حلیمہ سعدیہؓ سے بالخصوص یہ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ امامانِ حدیث وفقہ بالخصوص امام بخاریؒ نے اسی معنی ومفہوم کے ابواب وکتب میں جاہلی رضاعتوں کا ذکر کیا ہے اور ان سے استنباط کیا ہے۔(۲)

برکاتِ نبوی سے متعلق حدیثِ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے آخر میں رسول اکرم ﷺ کے دودھ چھڑانے کے بیان میں خود رضاعی ماں کی صراحت ملتی ہے کہ جب دو سال گزر گئے تو میں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا"...... حتی مضت سنتاہ وفصلتہ ......" اور یہ صرف ابن اسحاق وابن ہشام کی روایت نہیں ہے بلکہ تمام دوسرے رواۃِ سیرت اور مولفینِ حیات اور علماء وفقہاء کی تصریح ہے۔ دوسری باتوں

---

(۱) ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۶۷؛ سہیلی ۱/۱۹۷ وغیرہ نیز بحث بر مدت گزشتہ۔

(۲) مضمون بر رضاعتِ عہد نبوی مذکورہ بالا؛ بخاری، کتاب النکاح، نیز روایات سیرت بابت رضاعتِ حلیمہ سعدیہ، مندرجہ ذیل۔

کے علاوہ حضرت حلیمہ سعدیہ کا بیان یہ بھی ہے کہ دودھ چھڑانے کی مدت پوری ہوتے ہی ہم آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لائے اور قاعدہ سے ان کے سپرد کر دینا تھا مگر چونکہ ہم نے اس دوران ان کی برکات دیکھی تھیں لہٰذا آپ کو اپنے پاس رکھنے کے سب سے زیادہ حریص تھے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کی ماں سے اس بارے میں بات کی اور دلیل یہ دی کہ آپ کو میرے پاس اس وقت تک رہنے دیں جب تک کہ آپ مضبوط و توانا نہ ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ مجھے آپ پر وباء مکہ کا اثرِ بد ہو جانے کا خدشہ ہے۔ حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم ان سے برابر اصرار کرتے رہے حتی کہ آپ کو انھوں نے ہمارے ساتھ بھیج دیا: ’’قالت: فقدمنا به على أمه، ونحن أحرص شئ على مكثه فينا، لما كنا نرى من بركته، فكلمنا أمه، وقلت لها: لو تركت بنى عندى حتى يغلظ، فإنى أخشى عليه وباء مكة، قالت: فلم نزل بها، حتى ردته معنا(۱)

شبلی گرامیؒ کا بیان ہے کہ ’’اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ حضرت حلیمہؓ کے یہاں کے برس تک رہے، ابن اسحاق نے وثوق کے ساتھ ۶ برس لکھا ہے‘‘ (۱/۱۷۳۔۱۷۴)۔ مولانا مرحوم نے دوسری اختلافی روایات بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے کہ ’’ابن سعد کا بیان ہے کہ اس طرح حضور ﷺ دو سال اور حلیمہؓ کے ہاں رہے، مگر ابن اسحاق کی روایت اس سے مختلف ہے جو ہم آگے نقل کرتے ہیں‘‘۔ اور وہ چھ سال کی روایت ہے (۲/۹۷۔۹۹) لیکن مشہور روایات میں ہے کہ آپ ﷺ پانچ سال کی عمر تک حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے

---

(۱) ابن ہشام ۱/۱۶۴؛ سہیلی ۲/۱۴۷؛ بلاذری ۱/۹۴: ثم أن رسول الله ﷺ فطم لسنتين، وردته حليمة إلى أمه وجده ......: حلبی ۱/۹۲۔۹۳؛ طبری ۲/۱۵۴۷ کی روایت ابن اسحاق واموی دونوں میں ہی بیان ہے۔ شبلی ۱/۱۷۳: ’’...... دو برس بعد حلیمہ آپ کو مکہ لائیں اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا، لیکن چونکہ اس زمانہ میں مکہ میں وباء پھیلی ہوئی تھی آپ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ، چنانچہ دوبارہ گھر میں لائیں......‘‘؛ کاندھلوی ۱/۷۳؛ مودودی ۲/۹۷؛ مبارکپوری، ۸۶۔۸۷

ساتھ بنو سعد بن بکر میں مقیم رہے اور پانچ سال پورے ہوتے ہی آپ ﷺ کو حضرت حلیمہ نے خاص وجہ سے جس کا ذکر واقعات تکوینی کے ضمن میں آتا ہے آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس مکہ مکرمہ پہونچادیا۔ یہ متفقہ یا اجماعی موقف ہے۔(۱)

ان تمام روایات وبیانات سے واضح ہوتا ہے کہ بالآخر رسول اکرم ﷺ جب حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر سے اپنی والدہ ماجدہ کے پاس واپس تشریف لائے تو پانچ سال کی عمر پوری کر کے چھٹے سال میں قدم رکھ چکے تھے۔ امام ابن عبد البرؒ اور ان کے بعض ہمنوا مولفینِ سیرت نے پانچ سال اور دو یوم کی عمر کی قطعی صراحت کردی ہے لہٰذا یہی صحیح اور معتبر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ چھ سال کی عمر اور پانچ سال کے فرزند کی روایات میں بقول امامانِ تطبیق ایسا کوئی تنافر بھی نہیں ہے۔ صرف لفظی فرق ہے۔ پانچ سال کی کامل عمر کو جنھوں نے اپنے اعتبار میں لیا انھوں نے پانچ سالہ قرار دیا اور جنھوں نے ایام اضافہ کو جوڑ لیا انھوں نے چھ سالہ سمجھا۔ بہر حال روایات کی تنقیح وتحلیل اور تنقید وتجزیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا خانۂ حلیمہ سعدیہ میں قیامِ مبارک پنج سالہ تھا یعنی ۵۷۱ء کے اپریل سے ۵۷۶ء کے اپریل تک۔ قطعی تاریخیں اوائل اپریل کی بنتی ہیں، رضاعتِ والدہ وحضرت ثویبہ کے زمانہ کو منہا کرکے۔

---

(۱) بلاذری ۹۴/۱: ''...... وردته حليمة إلى أمه وجده، وهو ابن خمس سنين۔''؛ نیز بعض دیگر کتب سیرت قدیمہ میں یہی بیان ہے؛ کلاعی ۲۳۹/۱: ''...... وكان ابن عباسؓ يقول: رجع إلى أمه وهو ابن خمس سنين، وكان غيره يقول: رد إليها وهو ابن اربع سنين. هذا كله من الواقدى؛ ابن سید الناس ۵۲/۱ نے کلاعی کی پوری عبارت نقل کرنے کے بعد اضافہ کیا ہے: وقال أبو عمر: ردته ظئره حليمة إلى أمه بعد خمس سنين ويومين من مولده وذلك سنة ست من عام الفيل؛ حلبی ۹۳/۱ نے حضرت ابن عباس وغیرہ اور استیعاب کے بیانات کے علاوہ اموی کی روایت بھی دی ہے جس کے مطابق آپ ﷺ چھ سال کے تھے۔ رجع إلى أمه وهو ابن ست سنين ''؛ کاندھلوی ۷۴/۱؛ مبارکپوری ۸۷ وغیرہ کے مطابق آپ کی عمر پانچ سال ہی کی تھی۔ حلبی ۱۰۳/۱ وغیرہ میں رسول اکرم ﷺ کی پرورشِ حلیمہ سعدیہؓ کی مدت میں چار، پانچ اور چھ برسوں کی روایات کا بیان مبہم ملتا ہے لیکن ترجیح چار سال کو دی ہے۔

رضاعی ماں سے ارتباطِ نبوی

اولین رضاعی ماں حضرت ثویبہؓ کی طرح اصل رضاعی ماں حضرت حلیمہؓ کے ساتھ حسنِ ارتباطِ نبوی کا ذکر خیر ملتا ہے۔ مزید حسنِ اتفاق یہ ہے کہ بیشتر قدیم وجدید مولفینِ سیرت ان دونوں رضاعی ماؤں کے ساتھ حسنِ سلوک نبوی کی روایات ایک ساتھ دیتے ہیں۔ یہ بھی ایک حسین وجمیل اتفاق ہے یا کارکنانِ قدر وقضا کی دلچسپ ودلآویز کارفرمائی کہ دونوں ماؤں کا ارتباط ذاتِ نبوی سے زندگی بھر رہتا ہے۔ اسی طرح خاندانِ نبوی اور رسول اکرم ﷺ کی زوجۂ خیر حضرت خدیجہؓ سے بھی دونوں کے تعلقات قائم ودائم نظر آتے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے خاندان گرامی قدر کے دوسرے اکابر واصاغر نے بھی ان دونوں کا تاعمر خیال ولحاظ رکھا تھا۔ مگر ہمارے بعض قدیم وجدید مولفینِ سیرت حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے رسول اکرم ﷺ کی ملاقات وزیارت کو بالعموم اتفاقی بتاتے ہیں اور روایات پر بھروسہ کر کے یہ فیصلہ سنا دیتے ہیں کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے رضاعت وپرورش کے زمانے کے بعد رسول اکرم ﷺ کو صرف دوبار دیکھا، جیسا کہ امام سہیلیؒ نے ابن اسحاق/ ابن ہشام کی روایات پر بحث کرتے ہوئے اپنی شرح میں بڑی قطعیت کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ اور ان کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی یہی روش اپنالی ہے۔ اور بعض دوسروں نے تو حضرت حلیمہؓ کے ساتھ بعد کے تعلقِ خاطر کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ (۱)

واقعاتِ سیرت اور احوالِ تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور ثقیف کے درمیان مستقل ارتباط رہتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے مکارمِ اخلاق اور متواتر سنتِ مطہرہ سے بعید تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی اصل رضاعی ماں سے کوئی تعلق نہ رکھا ہو، جب کہ اس تعلقِ محبت اور رشتۂ الفت کو یاد دلانے کے لئے حضرت ثویبہؓ سے

---

(۱) سہیلی، ۳۰/ ۱۷۹؛ نیز کاندھلوی، مبارکپوری مذکورہ بالا نے ان کا ذکر نہیں کیا

مستقل تعلق و حسنِ سلوک کافی بڑا عامل تھا۔ بعثتِ نبوی سے قبل حضرت خدیجہؓ سے بھی حضرت حلیمہؓ کے روابط کا ذکر ملتا ہے اور رسول اکرم ﷺ سے ملاقات وزیارت کا بھی، پھر بعثت کے بعد رسالتِ محمدی ﷺ کا واقعہ ایسا مہتم بالشان تھا کہ اہلِ تعلق و محبت اس سے بے خبر و لاپرواہ نہیں رہ سکتے تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ضمن میں بعثتِ نبوی کی یہ اہمیت اور بڑھ جاتی ہے کہ ان کے شوہر حضرت حارثؓ نے مکہ آ کر نہ صرف ملاقات کی، پرسش احوال کی اور جستجوئے حق کی، بلکہ رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور روایات کے مطابق دفاعِ نبوی کا حق ادا کیا۔

اس تاریخی تناظر کا تقاضا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا بھی تعلقِ خاطر تا عمر جاری رہتا۔ اور صحیح یہی لگتا ہے کہ تا زندگی طرفین نے اپنے حقوق و واجباتِ محبت والفت اور فرائض مودتِ باہمی پوری جاں نثاری کے ساتھ ادا کیے تھے۔ جدید سیرت نگاروں میں سے بعض نے اس نکتہ کو پالیا ہے اگرچہ وہ تحقیق و جستجوئے احوال کے بحرِ بیکراں میں نہیں اترے۔ ان میں سے ایک مولانا مودودیؒ بھی ہیں۔ ان کا یہ تجزیہ یا بیان بالکل صحیح لگتا ہے کہ ''حلیمہؓ کے ساتھ بھی ثویبہؓ کی طرح رسول اکرم ﷺ ہمیشہ نہایت محبت اور احسان کا برتاؤ فرماتے رہے''۔ مولانا شبلیؒ نے تو حضرت حلیمہؓ کے ساتھ مستقل تعلقات کی بات کہی ہے۔(۱)

مکی دور میں رسول اکرم ﷺ سے حضرت حلیمہؓ کی صرف ایک ملاقات کی خبر ہمارے رواۃِ سیرت کو مل سکی تھی۔ اس کے مطابق حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد وہ رسول اکرم ﷺ سے ملاقات کے لئے آئیں تو آپ ﷺ نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ انھوں نے آپ ﷺ سے اپنے علاقے کی خشک سالی اور قحط کے حالات اور جانوروں اور مویشیوں کے ہلاک ہونے کا ذکر کیا اور بقول سہیلی اپنی قوم کی بدحالی کا شکوہ کیا، تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے مشورہ کر کے ان کو چالیس بکریاں اور

(۱) مودودی ۲/۹۸؛ شبلی ۱/۱۷۲

سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ عطا فرمایا۔ سہیلی اور بلاذری وغیرہ کی روایت میں حضرت خدیجہؓ کے عطایا مرحمت فرمانے کا ذکر کیا گیا ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پیکرِ حسنات ومبرات نے جس طرح حضرت ثویبہؓ کے ساتھ سلسلۂ خیر وعطا قائم کر رکھا تھا اسی طرح حضرت حلیمہ کو بھی نوازا۔ ان کے جذبۂ عطا واحسان کے علاوہ رسول اکرم ﷺ سے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے تعلقِ خاطر کا بھی اس میں عنصر شامل تھا۔ بقول بلاذری پھر رسول اکرم ﷺ نے ان کو ان کے خاندان والوں کے ساتھ خیر وعافیت کے ساتھ روانہ فرمادیا۔ یہ سلوکِ زوجین کا معاملہ تھا۔ ان دونوں کے بیانات میں عطائے خدیجہؓ ورسول ﷺ کی مقدار کا فرق ملتا ہے۔ وہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا کہ خالص عطا وانعام کا عطا کیا جانا۔ (۱)

مدنی دور میں رسول اکرم ﷺ سے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی ملاقات وزیارت کا دوسرا واقعہ حنین کے زمانے کا بتایا گیا ہے۔ امام سہیلیؒ نے حافظ اموی کی مغازی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت حلیمہؓ اس موقع پر تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے ان کا اعزاز واکرام کیا۔ غالباً یہی روایت ابن سعد نے محمد بن منکدر سے نقل کی ہے کہ ایک عورت نے رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضری دی جس نے بچپن میں آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، تو آپ ﷺ نے "میری ماں" "میری ماں" کہتے ہوئے ان کا

---

(۱) بلاذری ۱/۹۵: "قالوا: قدمت حليمة على رسول الله ﷺ بعد تزوجه خديجة بنت خويلد، فأنزلها وأكرمها، فشكت جدب البلاد وهلاك الماشية، فكلم خديجة فيها، فأعطتها أربعين شاة وبعيرا للظعنة، وصرفها إلى أهلها بخير ...." سہیلی ۲/۷۹: "...... جاءته تشكو اليه السنة، وأن قومها قد اسنتوا، فكلم لها خديجة فأعطتها عشرين راسا من غنم وبكرات "؛ نیز مودودی ۲/۹۸؛ حلبی ۱/۱۰۳: کا یہ اضافہ دلچسپ ہے کہ اس بارِ اول کی زیارت میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ اپنے شوہر اور اولاد کے ساتھ آئی تھیں اور رسول اکرم ﷺ نے ان سب کو اپنی چادر پر بٹھایا تھا: "...... تكون هذه المرة هى التى قدمت فيها مع زوجها وولدها وأجلسهم على ردائه أى ثوبه الذى كان جالسا عليه ...."

محبت وآنسو بھرا استقبال کیا اور فرطِ محبت واحسان شناسی سے اپنی ردائے مبارک بچھادی اور اس پر ان کو بٹھایا۔ یہ محبتِ نبوی کی عظیم الشان دلیل ہے۔ مولانا مودودیؒ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس میں رسول اکرم ﷺ کی اس رضاعی ماں کے نام کی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ اس سے شارحین نے بالعموم حضرت حلیمہ سعدیہؓ ہی کو مراد لیا ہے۔ بعض لوگوں کو البتہ ان کی وفات کی تاریخ کے سبب اس پر شبہ ہوا ہے۔(۱)

حافظ امام حلبیؒ نے حضرت حلیمہؓ کے واقعۂ حنین کے بعد آنے کی روایت کو حافظ دمیاطی کے حوالے سے صحیح نہیں بتایا ہے۔ حافظ دمیاطی کا خیال ہے کہ وہ آنے والی شخصیت آپ ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیماء تھیں: "......إنما هي أخته من الرضاعة وهي الشيماء" امام حلبیؒ نے حافظ دمیاطی کے قول پر بحث کی ہے کہ حافظ دمیاطی کا خیال صحیح ہے کہ وہ حضرت شیماء ہی تھیں، لیکن ان کی آمد پر رسول اکرم ﷺ نے ماں ماں کہہ کر پکارا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت شیماء ہی کو رسول اکرم ﷺ کی ماں کہا جاتا تھا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی دیکھ بھال (حضانت) کرتی تھیں۔ اور بعض صحابہ کرام نے جو یہ کہا تھا کہ آپ ﷺ کی وہ ماں جو آپ ﷺ کی رضاعت کرتی تھیں اس سے یہ مراد لینا کہ وہ رضاعی ماں تھیں صحیح نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی رضاعی ماں کے ساتھ آپ ﷺ کی کفالت کرتی تھیں، کیونکہ لوگوں کو آپ ﷺ کی نسبی ماں کی موت کا

---

(۱) سہیلی ۲/ ۱۹ مختصراً؛ حلبی ۱/ ۱۰۳ نے اس باب میں کئی متضاد روایات اور نئی معلومات بیان کی ہیں: قاضی عیاض کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ حنین کے دن تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے ان کا اکرام کیا اور پھر جب وہ حضرات شیخین کے زمانے میں تشریف لائیں تو ان کا ویسا ہی اکرام دونوں خلفاء راشدین نے فرمایا۔ حضرت حلیمہؓ کی عمر مبارک اور ان کی مختلف زیارتوں کے سلسلہ میں حضرت ابوالطفیل کی روایت بیان کی ہے جو مولانا مودودی ۲/ ۹۸ نے بھی بیان کیا ہے۔ مگر ان دونوں میں حضرت حلیمہؓ کے نام کی تصریح نہیں ہے، صرف ان کی ایک رضاعی ماں کا ذکر خیر ہے۔ حافظ ابن حجر اور امام ابن کثیر وغیرہ نے غزوۂ حنین کے زمانے میں حضرت حلیمہؓ کی خدمت گرامی میں آنے کی روایت کو غریب قرار دیا ہے۔

تیقن ہو چکا تھا اور حنین میں آنے والی کے آپ ﷺ کے بہن ہونے کا بھی تیقن ہو چکا تھا۔ اسی پر امام شامی نے اپنی کتاب ''الھدیٰ'' میں اکتفا کیا ہے۔ حافظ حلبیؒ نے اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ کے اس خیال پر کہ حنین کے زمانے میں آنے والی شخصیت کے بارے میں متعدد طرق سے جو روایت آتی ہے وہ حضرت حلیمہؓ کی شخصیت ہی کو ثابت کرتی ہے، نقد کیا ہے اور ان تمام روایات سے مراد حضرت شیماء ہی کو قرار دیا ہے، اگرچہ ''مواہب'' کے حوالہ سے یہ بتایا ہے کہ یہ دو قسم کی روایات ہیں: ایک میں ماں آئی تھیں اور دوسری میں حضرت شیماء۔ بہر حال یہ ساری بحث کافی تناؤ، ابہام اور تاویل و توجیہ کا شکار نظر آتی ہے۔ (حلبی ۱/۱۰۳-۱۰۴)

جاہلی روایاتِ عرب، حنفی اقدارِ ابراہیمی اور اسلامی اصولِ مروت و محبت نے رضاعی رشتہ داروں کو بھی اپنے رضاعی بچوں/بچیوں کے ساتھ محبت کے رشتہ میں باندھ رکھا تھا۔ حضرت ثویبہؓ کے بابِ محبت میں اس کا خاصا مفصل ذکر خیر آ چکا ہے۔ خوش قسمتی سے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ضمن میں ایک انتہائی حسین و جمیل اور دلآویز و دلنشیں واقعہ ملتا ہے جو اس کی تائید کرتا ہے۔ بلاذری وغیرہ قدیم ترین مولفینِ سیرت نے بیان کیا ہے کہ خاص فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ ابطح نامی مقام پر تشریف فرما تھے کہ حضرت حلیمہؓ کی بہن آپ ﷺ سے ملاقات کے لئے آئیں اور ان کے ساتھ ان کے گمنام شوہر کی بہن بھی تھیں۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت گرامی میں پنیر اور خالص گھی کی ایک تھیلی یا کپی پیش کی۔ رسول اکرم ﷺ نے ہمشیرۂ حلیمہؓ سے حضرت حلیمہؓ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے آپ ﷺ کو ان کی وفات کی خبر دی۔ یہ خبرِ بد سن کر آپ ﷺ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، پھر ان کے اخلاف کے بارے میں سوالات فرمائے، انھوں نے اپنی حاجت و ضرورت سے رسول اکرم ﷺ کو آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کو کپڑے عطا فرمائے اور ایک سامان

سے لدا ہوا اونٹ دیا اور پورے دو سو درہم بھی عطا فرمائے۔ جب وہ واپس جانے لگیں تو فرماتی تھیں کہ آپ بچپن میں بھی اور بڑے ہو کر بھی نہایت عمدہ زیرِ کفالت بچے رہے ہیں: ''وقدمت على رسول اللهﷺ يوم فتح مكة، وهو بالابطح، أخت حليمة ومعها أخت زوجها وأهدت اليه جرابا فيه أقط ونحيي سمن، فسأل أخت حليمة عن حليمة، فأخبرته بموتها فذرفت عيناه، وسألها عمن خلفت، وأخبرته نجلة وحاجة، فأمرها بكسوة، وحمل ظعينة، وأعطاها مائتي درهم وافية، وانصرفت وهي تقول: نعم المكفول أنت صغيرا وكبيراً''۔(۱)

یہ خبر یا روایت اکلوتی قسم کی معلوم ہوتی ہے لیکن وہ اصلاً ایسی ہے نہیں۔ وہ اس زمانہ خیر القرون کے مستقل سماجی رجحان اور مسلّمہ معاشرتی روایت کی نمائندگی کرتی ہے۔ رضائی رشتہ دار اور ان میں سے رضائی مائیں بالخصوص اپنے زیرِ کفالت رہے بچوں اور بچیوں کے ساتھ ہمیشہ سماجی تعلقات استوار رکھتے تھے۔ عہدِ نبوی کی رضاعت کے واقعات ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان میں سے دو امہات المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے رضائی رشتہ داروں کے تعلقات کا ایک حوالہ مختصر اوپر بھی آچکا ہے۔ حضرت حلیمہؓ کی بہن کی آمد و ملاقات اور ہدیہ و عطا کا واقعہ اس کی مزید توثیق کرتا ہے۔

بنو سعد بن بکر سے روابطِ نبوی

رضائی روابطِ محبت و مودت کی ایک وسیع ترجہت غزوۂ حنین ۸/۶۳۰ کے سعدی اسیروں کے باب میں ملتی ہے۔ مختلف روایاتِ سیرت و حدیث کے مطابق کئی

(۱) بلاذری ۱/۹۵؛ مودودی ۲/۹۸ نے خبر مختصر کر دی ہے۔

ہزار مرد و زن اور بچے میدانِ جنگ میں اسلامی لشکر کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد اسیر و گرفتار ہوئے تھے، کیونکہ ہوازن کے ماہرین جنگ اور قائدانِ لشکر نے پوری قبائلی آبادی کو میدانِ قتال میں لا کھڑا کیا تھا۔ ان کی یہ حکمت عملی دراصل عرب روایات کے مطابق تھی کہ عورتوں اور بچوں کی موجودگی جنگجوؤں کو لڑ مرنے اور فتح حاصل کرنے پر برانگیختہ کرے گی، مگر ان کی حکمت اور پالیسی اسلامی مجاہدین کے جذبۂ جہاد سے پیش نہ پا سکی اور جنگجوؤں کے ساتھ شہری لوگ بھی گرفتارِ بلا ہوئے۔ (۱)

ہوازن وثقیف کے ہارے ہوئے اکابر اور قائدین نے اپنے اسیروں کی رہائی کے لیے بڑی جذباتی دلیل دی تھی۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچ کر عرض کیا تھا "بقول مولانا شبلی": "جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں انھی میں تیری پھوپھیاں اور تیری خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم اگر سلاطینِ عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں۔ اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خاندانِ عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے۔ لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو۔ نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمان سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں۔ مہاجرین اور انصار بول اٹھے۔ ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔ اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد تھے....." اس طرح جدید اصطلاحات کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ اکابرِ ہوازن نے

---

(۱) ابن اسحاق/ابن ہشام ۲/۹۰۴ومابعد؛ سہیلی ۷/۲۸۲: اسیرانِ حنین کی تعداد چھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی: "وكان سبي حنين ستة آلاف رأس"۔ نیز ۷/۱۶۱-۱۶۳ ہوازنی حکمت عملی کے لئے؛ نیز بخاری غزوہ حنین، فتح الباری ۸/۳۸ومابعد؛ نیز کتب دیگر۔

رضاعتِ نبوی کا کارڈ اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے کھیلا تھا جو صحیح بھی تھا۔(۱)

حضرت شیماء کا واقعۂ الفت

رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف تمام ہوازنی اسیرانِ حنین کو ان کی جذباتی اپیل پر اور اپنی رضاعتِ سعدی کی رعایت میں رہا کر دیا بلکہ خاص بنوسعد بن بکر کے ساتھ بھی اپنی محبت والفت، جذبۂ احسان شناسی اور حسنِ اخلاق کا ثبوت بھی دیا۔ اس کی ایک انتہائی دلآویز اور جذبات کو چھو لینے والا واقعہ حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے جو آپ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ ابن اسحاق وغیرہ کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے مجاہدینِ اسلام کو جنگ سے پہلے ہدایت دی تھی کہ بنوسعد بن بکر کے ایک شخص رسردار بجاد پر قابو پا جاتا تو اس کو اور اس کے اہل وعیال کو پکڑ لانا۔ مجاہدینِ اسلام نے حکم کی تعمیل کی تو اس کے ساتھ حضرت شیماءؓ بھی پکڑی گئیں اور مجرم کے ساتھ ساتھ ان پر بھی کچھ سختی ہوگئی۔ حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کو جلال آ گیا اور انھوں نے گرفتار کرنے والوں سے فرمایا: ''تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے سردار کی رضاعی بہن ہوں'' لیکن انھوں نے ان کی بات کی صداقت نہیں سمجھی اور ان کو رسول اکرم ﷺ کے پاس لے کر پہونچے۔ خدمتِ گرامی میں پہونچتے ہی حضرت شیماءؓ بول اٹھیں: یارسول اللہ! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں، آپ نے فرمایا کہ اس کی کیا

(۱) شبلی، ۱/ ۵۴۶ بحوالہ طبری؛ کاندھلوی ۳/ ۶۵ بحوالہ فتح الباری ۸/ ۲۶؛ شبلی کے بیان کا اثر ہے؛ فتح الباری ۸/ ۴۲۔۴۳ ومابعد؛ ابن سعد کے حوالے سے ہوازن کے خطیب ونمائندہ زہیر بن صرد کے کلمات نقل کئے ہیں: ''یا رسول الله ان اللاتی فی الحظائر من السبایا خالاتك وعماتك وحواضنك اللاتی كن يكفلنك وانت خير مكفول، ثم أنشده الأبيات المشهورة أولها: يقول فيها:

امنن علينا رسول الله فی كرم   فانك المرء نرجوه وندخر

يقول فيها

امنن على نسوة قد كنت ترضعها   اذ فوك تملؤه من محضها الدرر

نشانی ہے۔ عرض کیا: جب میں آپ ﷺ کو بچپن میں کھلا رہی تھی تو آپ ﷺ نے میری پیٹھ پر دانت سے کاٹ کھایا تھا۔ انھوں نے وہ علامتِ محبت رسول دکھائی تو آپ ﷺ رو پڑے، ان کے لئے اپنی چادر بچھائی، اس پر ان کو بٹھایا اور پھر ان کو اختیار دیا کہ ”آپ چاہیں تو میرے پاس محبت وتکریم کے ساتھ رہیں اور چاہیں تو میں آپ کو انعام واکرام دے کر رخصت کر دوں اور آپ اپنی قوم کے پاس چلی جائیں۔ عرض کیا: آپ مجھے عطایا سے نوازیں اور میرے لوگوں کے پاس بھیج دیں۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے ان کو عطایا دئے اور ان کو ان کی قوم کے پاس بھیج دیا۔ بنو سعد کا خیال ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو ایک غلام مکحول نامی اور ایک کنیز عطا کی تھی اور ان دونوں کی شادی حضرت شیماءؓ نے کر دی تھی جس سے ان کی نسل چلی۔ حضرت شیماءؓ کو دوسرے عطایائے نبوی بھی ملے تھے جن کی تفصیل ملتی ہے: اصابہ کے مطابق کچھ اونٹ کچھ بکریاں اور دو مزید غلام دئے تھے۔ اصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو اتنا دیا تھا کہ ان کو غنی بنا دیا تھا۔(۱)

اسلام حضرت حلیمہ سعدیہؓ

حضرت ثویبہؓ کی مانند حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے اسلام لانے کے بارے میں

---

(۱) ابن اسحاق/ ابن ہشام ۴/۱۹۱-۹۲؛ سہیلی ۷/۱۸۲-۱۸۳؛ بلاذری ۱/۹۳: نے واقعہ کے علاوہ عطایائے نبوی کے بارے میں لکھا کہ آپ ﷺ نے ان کو اتنا عطا فرمایا جس نے ان کو مالدار بنا دیا“: وأعطاها ما أغناها“؛ شبلی ۱/۵۴۰-۵۴۱؛ کاندھلوی ۳/۶۵؛ مودودی ۲/۹۸-۹۹ نے یہ خوبصورت اضافہ کیا ہے کہ ”حضور کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اس خاندان کا خاص لحاظ رکھتے اور اس سے حسنِ سلوک اور تکریم کے ساتھ پیش آتے رہے“۔ حضرت شیماءؓ کے خدمتِ گرامی میں الفاظ یہ تھے: ”یا رسول اللہ! إنی أختك من الرضاعة، قال: وما علامة ذلك؟ قالت: عضة عضضتها فی ظهری وانا متوركتك قال: فعرف رسول اللهﷺ العلامة، فبسط لها رداءه، فأجلسها عليه وخيرها ......“ (نیز حلبی ۱/۱۰۴: بحث طویل اس سے مولانا مودودیؒ کا خیال مؤید ہوتا ہے کہ حضرات شیخین کے زمانے میں حضرت شیماءؓ زندہ تھیں اور محترم ومکرم تھیں۔

مختلف سیرت نگاروں کا اختلاف ملتا ہے اور ان کی اولاد کے اسلام لانے کے بارے میں اختلاف سے زیادہ ابہام ملتا ہے، جب کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے شوہر حضرت حارثؓ بن عبدالعزیٰ کے بارے میں اتنا اختلاف نہیں ہے۔ بہرحال روایات کے تضاد واختلاف نے خاصی دلچسپی کا سامان پیدا کر دیا ہے اور مولفینِ سیرت کو دو مختلف خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک طبقہ ان کے اسلام لانے کا نہ صرف قائل ہے بلکہ اس کا اثبات کرتا اور اس کے دلائل دیتا ہے۔ جب کہ دوسرا طبقہ ان کے اسلام نہ لانے کے دلائل دیتا ہے اور اس کا قطعی انکار کرتا ہے۔ شبلیؒ جیسے بعض محققین نے اس کی خوب وضاحت کی ہے۔ ان دونوں طبقاتِ مولفین کے بیانات کے تجزیے سے اصل حقیقت کا پتہ چلانے میں آسانی ہوگی، لہٰذا ان کے بیانات پہلے پیش کیے جاتے ہیں اور تجزیہ ان کے بعد آئے گا۔

مولانا شبلیؒ نے اسلامِ حضرت حلیمہؓ کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ ''ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہؓ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے وفات کر گئیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے تاریخ میں، ابن جوزیؒ نے حداء میں، منذریؒ نے مختصر سنن ابی داؤد میں، ابن حجرؒ نے اصابہ میں ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے۔ حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''التحفة الجسيمة في إثبات إسلام حليمة'' ہے۔ (۱۷۴/۱ بحوالہ زرقانی اور اصابۃ فی احوال الصحابۃ مطبوعہ مصر مطبع سعادت جلد ۲۸۳/۱) شبلی گرامیؒ نے اسی طرح حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی آنحضرت ﷺ کے رضاعی باپ حارثؓ بن عبدالعزیٰ کے بعثت کے بعد مکہ آنے اور ان کے اسلام لانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور ان کی اولاد حضرت عبداللہ اور شیماء کا اسلام لانا ثابت بتایا ہے اور لکھا ہے کہ باقیوں کا حال معلوم نہیں'' لیکن اس کا حوالہ کوئی بھی نہیں دیا۔ قدیم وجدید دونوں قسم کے مولفینِ

سیرت وتاریخ نے اسی موقف کو اپنایا ہے۔(۱)

امام حلبیؒ نے حسب دستور حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے اسلام لانے کے بارے میں لگ بھگ تمام آراء واقوال کا احاطہ کیا ہے۔ان میں نقد واستدراک بھی کیا ہے اور پھر اپنی اور دوسرے اہلِ علم کی راجح رائے بھی دی ہے۔اس کو ذیل میں بطور نکات پیش کیا جاتا ہے۔

- ابن حجرؒ کی شرحِ قصیدہ ہمزیہ کے حوالے سے ان کا بیان گزر چکا ہے کہ حضرت حلیمہؓ کی یہ سعادت کی بات تھی کہ ان کو اسلام کی توفیق ملی اور نہ صرف ان کو بلکہ ان کے شوہر اور ان کی اولاد کو بھی یہ توفیقِ الٰہی ارزانی ہوئی۔شیخ الاسلامؒ نے اپنے متن میں جو یہ لکھا ہے کہ بعض لوگ ان کے اسلام لانے کے منکر ہیں اس سے اشارہ انھوں نے اپنے شیخ حافظ دمیاطیؒ کی طرف کی ہے۔کیونکہ حافظ دمیاطی ''جملہ منکرین'' میں سے ہیں۔انھوں نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ حضرت حلیمہؓ کے لئے نہ شرف صحبت معروف ہے نہ اسلام اور بہت سے لوگوں کو وہم ہو گیا ہے، لہٰذا انھوں نے ان کا ذکر صحابہ میں کر دیا ہے۔یہ اعتراض ونقدِ دمیاطی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ان کے لئے مناسب تھا کہ وہ یہ کہتے کہ بعض لوگوں نے ان کے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے اور وہ کچھ نہیں ہے۔ان کے قول سے حافظ ابن کثیرؒ کا قول بھی موافق ہے جو یہ ہے کہ حضرت حلیمہ کو بعثتِ نبوی کا زمانہ نہیں ملا۔لہٰذا بعض لوگوں نے ان کے قول کا رد لکھا ہے اور وضاحت کی ہے کہ ان کے اسلام میں کوئی شک نہیں۔یہ جماہیر علماء کا قول اور موقف

(۱) سیرۃ النبی ۱/۲/۱۷۱: حلبی کی روایت میں رسالہ مغلطائی میں لفظ ''اثبات'' نہیں ہے) (اسد الغابۃ ۴۲۶/۵۔۵۲۸: ذکر در صحابیات، واقعہ رضاعت وحنین آمد، حارث کے لئے۔اسد الغابہ ۱/۳۳۸؛ اصابہ نمبر ۱۴۳۸؛ مودودی ۹۹/۲ حاشیہ: بحوالہ ابن کثیر، ابن عبدالبر، ابن حجر، ابن سعد اور اصابہ وغیرہ، شامی ۳۸۲/۲ نے ایک خاص باب رضاعت ''حضرت حلیمہؓ کے قبول اسلام کے واقعہ کو ثابت کرنے کے لئے قائم کیا ہے''۔

ہے اور بعض متاخرین کے قول کی بنا پر اس کی تاویل نہیں کی جائے گی کہ ان کا اسلام لانا ثابت نہیں۔

- حافظ ابن حبانؒ نے ایک صحیح حدیث روایت کی ہے جو ان کے اسلام پر دلالت کرتی ہے۔ (حلبی ۱/۱۰۴۔۱۰۴) امام حلبیؒ نے "مواہب" کی روایتِ تطبیق کے مطابق یہ بحث بھی کی ہے کہ ایک روایت کے مطابق غزوۂ حنین کے بعد حضرت حلیمہؓ آئی تھیں اور وہ قیدیوں میں شامل نہ تھیں اور حضرت شیماء کی آمد کا دوسرا واقعہ ہے اور وہ قیدیوں میں شامل ہو کر آئی تھیں۔ لہٰذا یہ دونوں صحیح ہیں۔ حلبیؒ نے اس پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اصلاً اس باب میں قسطلانیؒ نے امام ابن عبدالبر کی روایت کی پیروی کی ہے جو اس خیال کے پیش کرنے والے ہیں۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یوم حنین میں آنے والی حضرت شیماء تھیں جیسا کہ اوپر خاصی طویل بحث میں کہا گیا ہے۔ انھوں نے حضرت امام ذہبیؒ کے اس خیال کو غلط بتایا ہے کہ اس موقعہ پر آنے والی رضاعی ماں حضرت ثویبہ ہوں گی کیونکہ ان کا غزوۂ خیبر کے بعد انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت حلیمہؓ کے اسلام نہ لانے کے خیال وقولِ امام ابن جوزی پر سخت نقد کیا ہے اور ان کا اسلام لانا ثابت کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ "النور" میں یہ مذکور ہے کہ حافظ مغلطائی نے اسلامِ حضرت حلیمہ کے بارے میں ایک تالیف کی ہے جس کا انھوں نے نام رکھا تھا: "التحفة الجسيمة في إسلام حليمة" اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانے والی ہر مرضعہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس مولف "بعض" نے کہا ہے کہ آپ کی مرضعات چار تھیں: آپ ﷺ کی والدہ، حلیمہ سعدیہ، ثویبہ اور ام ایمن۔ اس کی تائید حافظ ابن مندہ کے قول سے ہوتی ہے جو انھوں نے اسلامِ حضرت ثویبہ کے اثبات میں کہا ہے اور حضرت ام ایمن کی رضاعت و اسلام ثابت ہے اور آپ ﷺ کی والدہ کے اسلام لانے پر ہم پھر بحث کریں گے۔ (حلبی ۱/۱۰۴۔۱۰۵)

وفاتِ حضرت حلیمہ سعدیہؓ

حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے وابستہ متعدد واقعات وامور کی مانند ان کی وفات کے زمانہ وتاریخ پر بھی اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ بعض واقعاتِ پرورشِ نبوی کے ضمن میں مذکور روایات واقوال سے معلوم ہوتا ہے اور وہ روایات ورواۃ کے قصورِ اطلاع سے زیادہ محققینِ سیرت اور تاریخی تجزیہ نگاروں کی علمی وفنی کوتاہی کا معاملہ بن جاتا ہے کہ کم ازکم ان کو روایات کی تنقیح کرنی لازمی تھی۔ ان کی وفات کے بارے میں سب سے مشکل چیز کسی تاریخ وسنہ کے عدم ذکر کی ہے جب کہ حضرت ثویبہؓ کے بارے میں ایسی دقت نہیں پیش آتی۔ دوسری دقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے ان کا ارتباط وتعلقِ خاطر کی روایات میں تقویمی تنافر وتضاد نظر آتا ہے جس کا حل نہیں نکالا گیا۔ تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ عام سیرت نگاروں نے ان کی وفات کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی اور صرف روایات کا اختلاف بیان کر کے بعض پر نقد وتنقید کر کے اپنا فریضہ ختم سمجھ لیا۔

امام سہیلیؒ اور ان کے بعض ہمنوا مولفینِ سیرت نے رسول اکرم ﷺ کی بعد کی حیاتِ طیبہ میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے زیارت وملاقات کے حوالے سے لکھا ہے کہ پہلی بار وہ حضرت خدیجہؓ سے نکاحِ نبوی کے بعد ملنے آئیں اور دوسری بار غزوۂ حنین کے دن جس کا ذکر انھوں نے موقع ومحل پر کرنے کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اور بعض دوسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ حنین کے دن حضرت حلیمہ سعدیہؓ آپ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ ماں ماں کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ۶۳۰/۸ء کے غزوۂ حنین تک بہرحال زندہ وبا حیات تھیں۔ (۱)

دوسری طرف بلاذری نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بہن کی زیارتِ نبوی بر فتح

---

(۱) سہیلی ۱۷۹/۲: ۷ر..... ذکرِ حلیمہ نہیں مل سکا، محقق سہیلی کا حاشیہ اسے حافظ اموی کا بیان بتاتا ہے؛ حلبی ۱۰۳/۱ وما قبل۔

مکہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان کی وفات اس عظیم واقعہ سے قبل ہو چکی تھی لیکن اس کی حتمی تاریخ یا سنہ اس میں نہیں بیان کیا گیا ہے۔ بعض قدیم وجدید سیرت نگاروں نے اسی کو قبول کیا ہے۔ اور حنین کے دن آنے والی خاتون کو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بجائے ان کی دختر اور رسول اکرم ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیماء کو مراد لیا ہے۔ ان تاریخوں۔ یا سنین میں سے کسی کو ترجیح دینے کی بہت مضبوط وجہ نہیں ملتی تاہم بلاذری کی روایت ہی زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔ (۱)

متاخر سیرت نگاروں اور اہلِ قلم نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی وفات کی تاریخ عہد نبوی کے بعد کسی زمانے میں بیان کی ہے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ تاریخِ وفات نہیں بیان کی بلکہ ان کے باحیات رہنے اور خلافتِ شیخین میں زیارتیں کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ امام حلبیؒ نے قاضی عیاضؒ کی روایت پر کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے خلافتِ شیخین میں بھی ورودِ مدینہ فرمایا تھا کوئی کلام و نقد نہیں کیا۔ البتہ امام ابن کثیرؒ کے حنین کے زمانے میں ان کی آمد کی روایت پر ان کے نقد کے بعد لکھا ہے کہ اگر یہ غریب روایت محفوظ سمجھی جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کو ایک دہر طویل کی عمر ملی: ''...... وإن كان محفوظا فقد عمرت دهرا طويلًا۔ اور اس کی وضاحت میں مزید لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعت اور حنین کے بعد جعرانہ کے زمانے تک ساٹھ سال سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کے وقت اگر ان کی عمر تیس سال مان لی جائے اور پھر حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ان کی زیارت کو حساب میں لیا جائے تو ان کی عمر سو سال سے زیادہ بن جاتی ہے۔ امام حلبیؒ نے اس پر اپنی بحث ختم کر دی ہے۔ (حلبی ۱/۱۰۳)

ان تمام روایات کے اختلاف و تصادم کی بنا پر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کی وفات کا سنہ کیا تھا؟ لیکن بہر حال امام بلاذری کی روایت کی ترجیح اب بھی

(۱) بلاذری ۱/۹۵؛ مودودی ۲/۹۸

قابلِ لحاظ لگتی ہے اور وہی صحیح روایت ان کی وفات کی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں پوری صراحت ملتی ہے اور وہ صراحت کسی اور کی زبان سے نہیں بلکہ حضرت حلیمہؓ کی بہن کی زبان سے ملتی ہے۔ دوسری تمام روایات جو ان کو غزوۂ حنین کے بعد تک زندہ بتاتی ہیں یا خلافتِ شیخین کے زمانے میں ان کی زیارت ہائے مدینہ کا ذکر کرتی ہیں ان کے بارے میں یہی توجیہ صحیح لگتی ہے کہ وہ حضرت حلیمہ سعدیہ نہیں تھیں بلکہ ان کی دختر حضرت شیماء رضی اللہ عنہا تھیں اور غلطی سے ان کو رضاعی ماں بنایا گیا حالانکہ وہاں رُواۃ کی مراد یقیناً رضاعی ماں کی دختر سے تھی۔ یہ توجیہ بعض دوسرے اہلِ علم و قلم نے بھی کی ہے۔

مختصر تجزیہ

حضرت حلیمہ سعدیہؓ رسول اکرم ﷺ کی اصل رضاعی ماں تھیں۔ ان کا انتخاب جناب عبدالمطلب ہاشمی، رسول اکرم ﷺ کے دادا نے باقاعدہ تلاشِ بسیار کے بعد کیا تھا۔ ابن اسحاق/ابن ہشام کی مشہور و مقبول ترین روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس مشہور ترین روایت کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہؓ سمیت تمام مرضعاتِ بنی سعد بن بکر نے رسول اکرم ﷺ کو یتیم جان کر اپنی رضاعت کے قابل نہیں سمجھا تھا، محض اس لئے کہ رضاعت کے حسنِ معاوضہ اور احسانِ خیر کی توقع ان کو صرف بچے کے باپ سے تھی۔ روایتی اور درایتی دونوں اعتبار سے یہ روایتِ مشہور خاصی مشتبہ ہے اور اس میں مبالغہ و غلوئے عقیدت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

درایتی لحاظ سے دوسری روایت جو امام حلبیؒ اور دوسرے غیر ابن اسحاقی سلسلہ سے بیان کی گئی ہے، زیادہ معتبر ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی سہیلیوں نے بلاشبہ رسول اکرم ﷺ کی یتیمی سے متاثر ہو کر رضاعتِ نبوی سے پہلوتہی کی تھی۔ ان کے انکار و کفرانِ نعمت کے بعد جناب عبدالمطلب ہاشمی تلاشِ مرضعات میں نکلے اور

حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے جا کر ملاقات کی۔ ان کو اپنے پوتے کی یتیمی سے آگاہ کیا اور فضلِ خداوندی کی امید دلائی اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے اپنے شوہر حضرت حارث کے مشورے پر رضاعتِ نبوی کی ذمہ داری اٹھالی اور جناب عبدالمطلب ہاشمی کو جا کر اپنے فیصلے سے آگاہ کیا اور دادا نے فرحت وانبساط کا اظہار کیا۔

شفیق دادا حضرت حلیمہ سعدیہ کو پہلے پہل اپنے گھر لائے اور ان کی ملاقات حضرت آمنہ سے اولین مرتبہ کرائی۔ والدہ ماجدہ نے بی بی حلیمہ کو رسول اکرم ﷺ کا پہلا دیدار کرایا۔ وہ حسن و جمالِ نبوی اور طہارت و پاکیزگی محمدی سے متاثر ہوئیں اور آپ ﷺ کو رضاعت کے لئے لے گئیں۔ اپنے ڈیرے پر پہونچنے کے بعد رسول اکرم ﷺ کو اپنے شیر خوار بچے عبداللہ سے بھی پہلے دودھ پلانے کے لئے گود میں لٹایا۔ فضلِ الٰہی اور برکتِ نبوی کا ظہور ہوا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ جوئے رواں بن کر بہہ نکلا اور دونوں شیر خوار بچے شکم سیر ہو گئے اور آرام سے سو گئے۔ برکاتِ الٰہی نے حضرت حلیمہ سعدیہ کا گھر دیکھ لیا۔ ان کی دودھاری اونٹنی نے دونوں رضاعی ماں باپ کو شکم سیر وشاداب بنایا اور اس نے ان کو میٹھی نیند کا تحفہ عطا کیا جو دودھ کی قلت کے سبب عنقا تھی۔ وطن بنو سعد کے علاقے کے لئے روانہ ہوئیں تو ان کی مریل سواری میں جان پڑ گئی اور صبا رفتار بن گئی اور سعدی قافلے کی تمام سواریوں کو پیچھے چھوڑ گئی۔

رضاعتِ حلیمہ سعدیہؓ کے اولین لمحے سے پرورش و کفالتِ نبوی کی آخری گھڑی تک برکاتِ الٰہی کا مسلسل ظہور ہوتا رہا۔ ان برکات کا ایک تعلق حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی ذات مبارک سے تھا اور دوسرا ان سے وابستہ افراد و اشیاء سے تھا۔ بنو سعد کے خانۂ حلیمہ سعدیہ میں پوری مدتِ قیامِ نبوی کے دوران ان کی اپنی ذات میں برکات نظر آئیں جن سے گھر والے مستفید ہوئے، ان کی دودھاری اونٹنیاں، بکریاں اور بھیڑیں وغیرہ سرِ شام چرائی کے بعد لوٹتیں تو ان کے تھنوں میں دودھ جوش مارتا ہوا

ہوتا اور وہ سب کو سیراب کرتا، مگر ان کی رضاعی سہیلیوں اور بنو سعد کی دوسری مرضعات کو ان برکات سے ذرا بھی بہرہ نہیں ملا کہ انھوں نے خود نعمت کا انکار کیا تھا۔

حضرت ثویبہ اسلمیہؓ کے برعکس ماہرینِ انساب اور مولفینِ سیرت نے نام ونسب حلیمہ سعدیہؓ پر زیادہ توجہ دی ہے۔ لہٰذا ہم جانتے ہیں کہ ان کے والد ماجد کا نام حارث بن عبداللہ تھا اور ان کی مشہور کنیت ابوذ ؤیب تھی اور دوسری کنیت ابوکبشہ بھی تھی۔ ان کے نسب کی بعض پیڑھیوں پر ماہرین علماء کے اختلاف بھی ملتے ہیں اور ان کی تصحیح محققین نے کی ہے اور اپنی تصحیح کے دلائل بھی دیے ہیں۔ اسی بنا پر حضرت حلیمہؓ کے والد کا نام عبداللہ صحیح نہیں سمجھا گیا اور ابن اسحاق وغیرہ پر امام بلاذری اور کلبی وغیرہ نے خاصا نقد کیا ہے۔ طبری، ابن حزم، بلاذری، اور متعدد دوسرے محققین نے بھی اوپر کے ناموں کی صحیح قراءت وتلفظ پر خاصا زور دے کر غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

بایں ہمہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے نسب خاص اور خاندانِ بنی سعد بن بکر/ ہوازن کا نسب عام تمام کتابوں میں ناقص ہی ملتا ہے۔ جمہرۃ انساب عرب کے جامع کاتب امام ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶/۱۰۶۴) نے پورے خاندان بنی سعد کے صرف تین چار اکابر کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی ناقص ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے بھائی بہنوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جب کہ بعض روایاتِ سیرت میں کم از کم ان کی ایک بہن کا حوالہ آتا ہے۔ حضرت حارث بن عبدالعزیٰ سعدیؓ کا ذکر بطور مرضعۂ نبوی کے شوہر کے کیا گیا ہے اور ان کے صرف تین بچوں کا ذکر ہے: عبداللہ جو فرزند تھے اور شریکِ رضاعتِ نبوی۔ ان کی دو بہنیں شیماء (اصل نام جذامہ) اور انیسہ تھیں۔ موخر الذکر کے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ ذکر نہیں ملتا۔ یہی بے خبری حضرت عبداللہ بن حارث سعدیؓ کے بارے میں ہے۔ شبلیؒ نے ان کے ایک اور بھائی حذافہ کا ذکر کیا ہے لیکن وہ بلاحوالہ ہے۔ اور اس کا ذکر کہیں دوسری جگہ نہیں مل سکا۔ غالباً ان کو حضرت

شیماء کے مختلف ناموں کے بیان سے کچھ تسامح ہو گیا۔ اسی طرح ان کے جامع سید سلیمان ندوی نے بیانِ استاد بلا حوالہ چھوڑ دیا۔ حضرت شیماء کی بعض خدمات سے ان کے بڑی بہن ہونے کا البتہ پکا ثبوت ملتا ہے کہ وہ دورانِ پرورشِ نبوی رسول اکرم ﷺ کو گود میں کھلاتی تھیں اور ان کی حضانت کیا کرتی تھیں جیسا کہ عام طور سے بڑی بہنیں کرتی ہیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں رسول اکرم ﷺ کی پرورش و کفالت کی مدت کے بارے میں اہلِ سیر کا اختلاف ہے۔ بعض نے چار سال، بعض نے پانچ برس اور دو ایک نے چھ سال کی مدت بتائی ہے اور متعدد متاخرین نے ان کے اس اختلاف کو نقل کر دیا ہے۔ محققینِ سیرت نے البتہ تمام روایات و اختلاف کی تنقیح کر کے پانچ سال دو ماہ/ ایک ماہ کی مدت امام ابن عبد البر قرطبی کے حوالے سے متعین کی ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس پوری مدتِ پرورش -پنج سالہ- میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں پیش آنے والے واقعات کافی ہیں اور ان کی نوعیت کے لحاظ سے دو طرح کے واقعات میں منقسم کر کے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

ان میں سے ایک مبشرات اور خوارقِ قسم کے واقعات ہیں جن میں تکوینی عناصر اور یدِ الٰہی کی بنیادی کارفرمائی کے علاوہ بعض قیافہ شناسوں، کاہنوں اور یہودی عیسائی عالموں کی پیشگوئی نما "صدمات" اور اخبار ہیں جو عظمتِ استقبال کی نشاندہی کرتی ہیں۔ کئی قیافہ شناسوں (عرّاف) کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کے جسمِ اطہر بالخصوص مہرِ نبوت دیکھ کر آپ ﷺ کے نبی موعود ہونے کی پیش گوئی کی تھی اور آپ ﷺ کو قتل کرنے پر لوگوں کو اکسایا تھا یا نصاریٰ حبشہ کی مانند خود آپ ﷺ کو اغوا کر کے لے جانا چاہا تھا۔ ان مبشرات اور پیشگوئیوں کو محققین علماء نے اس بنا پر قبول نہیں کیا کہ وہ روایتی، درایتی دونوں اعتبار سے بلا اعتبار اور غیر ثقہ

تو ہیں ہی وہ اس بنا پر بھی قابلِ لحاظ نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل کسی کو حتی کہ رسول اکرم ﷺ تک کو متعین طور سے اس کا علم نہ تھا۔ لہٰذا وہ تمام مبشرات اور پیشگوئیاں صرف زیبِ داستان بن کر رہ جاتی ہیں۔ سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبی جلد سوم میں ان پر نقد کیا ہے۔

معجزات اور خوارق میں بعض بالکل صحیح اور معتبر ہیں کہ روایتی طور سے وہ درست ہیں اور درایت بھی ان کی تائید کرتی ہے۔ ان میں تمام برکاتِ نبوی شامل ہیں جن کے سبب حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے اہلِ خاندان اور ان کے مویشیوں کو بہرہ وافر ملا تھا۔ تمام معجزات و برکات میں شقِ صدر کا معجزہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ اول بار وہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں ظہور پذیر ہوا تھا، جب رسول اکرم ﷺ کی عمر شریف پانچ سال تھی۔ عمر نبوی پر بعض اختلافات کے باوجود واقعۂ شق صدر پر کسی کو کوئی شبہ نہیں۔ معجزہ کا ظاہر یہ ہے کہ دو فرشتوں بالخصوص حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک طشتِ آسمانی میں آبِ زمزم لا کر رسول اکرم ﷺ کے سینہ کو چیرنے کے بعد قلبِ مبارک کو اس سے دھویا اور اس میں سے شیطانی پھٹکی نکال پھینکی اور صدرِ مبارک پھر سے سی دیا۔ اس کا نشان تا زندگی رسولِ اکرم ﷺ کے جسمِ اطہر پر صحابہ کرام نے ملاحظہ کیا۔ جیسا کہ متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ بقول مولانا مودودیؒ اس معجزہ کی کنہ کو انسانی عقل نہیں پا سکتی۔ البتہ متعدد قدیم و جدید سیرت نگاروں نے تطہیر و تزکیۂ الٰہی کے اس تکوینی نظام کی برکات، مقاصد اور فوائد بیان کیے ہیں۔

دوسرے واقعات فطری نوعیت کے ہیں جو اس عالمِ اسباب و نتائج کے اصولوں کے مطابق ہر سماج میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان میں رسول اکرم ﷺ کی اٹھان، نشو و نما اور پرورش و کفالت کے واقعات خاص ہیں اور وہی رضاعتِ نبوی کے اصل مقاصد تھے۔ بدوی رضاعت کا ایک مقصد جسمانی قوت اور بدنی طاقت کا

حصول ہوتا تھا کیونکہ بدوی علاقوں کی آب وہوا نسبتاً صاف ستھری ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی اٹھان غیر معمولی تھی۔ آپ ﷺ اپنے کچے سن اور ابتدائی عمر میں ہی خاصے تنومند، صحتمند اور تندرست وتوانا لگتے تھے۔ اس میں فطری عناصر کے ساتھ تکوینی اقدار کی بھی کارفرمائی تھی کہ انبیاء اور رسولوں کو عام بشر کے مقابلے میں دوگنی طاقت عطا ہوتی ہے۔

اسی زمانۂ رضاعت وپرورش میں رسول اکرم ﷺ نے عربی زبان بولنی سیکھی، ابتدا بھی شاندار تھی اور کچھ دنوں بعد فصاحت نے نطقِ نبوی کی صورت اختیار کرلی۔ رضاعتِ بنی سعد کے ساتھ ساتھ خونِ قریش کا بھی اس نطق وفصاحت میں پورا پورا حصہ تھا۔ جیسا کہ حدیثِ فصاحت نبوی میں آتا ہے۔ اس کا سارا شرف بالعموم رضاعتِ سعدی کو دے دیا جاتا ہے جو جزوی طور سے صحیح ہے۔ فصاحت وبلاغت کا وہ ابتدائی اظہار تھا لیکن اصل نشو ونما بعد کی زندگی میں ہوا جب خونِ قریش کے ساتھ پرورشِ اکابرِ نبوی نے اپنا رنگ دکھایا تھا۔ اس فصاحتِ نبوی کا تیسرا مرحلہ وہ تھا جب کلامِ الٰہی وحی قرآن وحدیث بن کر زبانِ محمدی سے وجود پذیر ہوتا تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے فرزند اور دختروں سے رسول اکرم ﷺ کا والہانہ تعلق اور محبت آمیز ارتباط تھا۔ پنجسالہ مدتِ کفالت کے زمانے میں حضرت شیماء اور دوسرے بھائی بہنوں نے اپنی ماں کی طرح رسول اکرم ﷺ کو اپنی محبت کا مرکز بنائے رکھا۔ وہ آپ ﷺ کو گودوں کھلاتے، آپ ﷺ کے ساتھ بچپن کے کھیل کھیلتے، تیراندازی سکھاتے، کشتی اور دوڑ کے مقابلے رہتے، مویشیوں کو چرانے جاتے کہ "رعی غنم" ایک نبوی سنت ہے اور تمام انبیاء کرام نے اپنے بچپن اور لڑکپن میں اس کے تجربات کئے تھے، رسول اکرم ﷺ کے مویشی چرانے کے اولین تجربات اسی زمانۂ کفالتِ حلیمہ کے تھے۔ رسول اکرم ﷺ بھی اپنے رضاعی بھائی بہنوں سے پیار

کرتے تھے۔

دورانِ کفالت حضرت حلیمہؓ روایات کے مطابق رسول اکرم ﷺ کو تین بار کم از کم ملاقات وزیارت کے لئے مکہ مکرمہ لائیں۔ ایک موقع دو سال کی رضاعت اسلامی کے پورے ہونے کے بعد کا ہے، حضرت حلیمہ سعدیہ فرض منصبی کی ادائیگی کے بعد بھی آپ کے برکات اور ان سے زیادہ آپ ﷺ کی بیکراں محبت کی بنا پر آپ ﷺ کو اپنے پاس رکھنے کی حریص تھیں اور اسی لئے والدہ حضرت آمنہؓ سے اصرار کرکے پھر ساتھ لے آئی تھیں۔ اس میں اس زمانے کی وبائے مکہ نے بھی مدد کی تھی۔ اس کے کچھ دنوں بعد ہی پھر واپس لے گئیں کہ آسانی بادلوں کے مستقل سایہ فگن ہونے کے واقعہ نے خوفزدہ کردیا تھا، اور پھر ان کو لے آئیں کہ ماں کی محبت خوف پر غالب آ گئی تھی۔ اور تیسری زیارت و آمد شق صدر کے معجزہ کے بعد رسول اکرم ﷺ کی دادا اور ماں کے حوالے کرنے کی مستقل رخصت و رسم محبت بن گئی تھی۔ مختلف راویوں نے ان ''آمدوں'' اور زیارتوں کا ذکر کرکے ان میں اختلاف بھی کیا ہے اور ابہام و الجھن بھی اپنی طرف سے پیدا کی ہے۔ لیکن ایک جدید سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کا بیان خاصا دلچسپ اور فطری اور معتبر لگتا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ رسول اکرم ﷺ کو ہر چھ ماہ کے عرصے کے بعد آپ ﷺ کے اقرباء و اکابر سے ملانے مکہ مکرمہ لے جایا کرتی تھیں۔ لہٰذا پانچ سالہ مدتِ قیام کے دوران آپ ﷺ اپنے دادا اور ماں وغیرہ سے ملاقات کے لئے کم از کم دس بار مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے اور ممکن ہے کہ زیارتوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ دادا عبدالمطلب ہاشمی اور دوسرے اقرباء نے دورانِ رضاعت خانۂ حلیمہؓ میں جا کر خود بھی زیارت کی ہو۔

واقعہ شق صدر کے بعد ۵۷۶ء کے اوائل میں رسول اکرم ﷺ کی مکہ واپسی

کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی حیاتِ نبوی میں صرف دوبار زیارت وملاقات کی روایات آتی ہیں: ایک بار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد جب رسول اکرم ﷺ نے ان کا اور ان کے شوہر نامدار اور بعض اولادوں کا اعزاز واکرام کیا اور ان کو عطایائے نبوی سے مالا مال کیا۔ بعض رواۃ نے ان کو عطائے خدیجہؓ بیان کیا ہے لیکن اصلاً وہ رضاعی فرزند ﷺ کے تحفۂ محبت کے ساتھ ان کی شکر گزار اور مخیّر بیوی کے مشترکہ ہدایا اور خدماتِ جلیلہ تھے۔ دوسری بار کی زیارتِ نبوی کا زمانہ واقعہ حنین کے بعد قیام جعرانہ ۸/۶۳۰ء کا بتایا جاتا ہے جس پر متعدد محققین نے صحیح نقد کیا ہے اور غلط بتایا ہے۔

رضاعتِ نبوی کے بعد کی زندگی میں رسول اکرم ﷺ سے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ارتباط اور اکابرِ بنی ہاشم سے تعلقات کو ان دوزیارتوں بلکہ حقیقتاً ایک ہی زیارت تک محض روایت پرستی میں محدود کر دیا گیا، حالانکہ وہ مسلسل ربطِ محبت وتعلق کی کہانی سناتا ہے۔ روایتی طور سے اس کی تائید میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے شوہر حضرت حارث بن عبدالعزیٰ سعدیؓ نے آپ سے ملاقاتیں کی تھیں اور ان دونوں میں ان کے ساتھ ان کے خاندان والے موجود تھے۔ ان دونوں رضاعی والدین کے اسلام کے واقعۂ زیارت وبیعت کے علاوہ رضاعی بھائی بہنوں کے ملاقاتِ اسلام اور بیعت کرنے کے مواقع بھی ان کے علاوہ تھے۔ فتح مکہ کے عین موقعہ پر حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بہن نے اپنے نندوئی کی بہن کے ساتھ رسول اکرم ﷺ سے ملاقات کی تھی اور ہدایا پیش کئے تھے اور بدلے میں عطایائے نبوی سے بہرہ مند ہوئی تھیں۔ حضرت شیماء رضی اللہ عنہا نے مدتوں بعد غزوۂ حنین کے بعد ملاقات وزیارت کے مزے لوٹے تھے۔ ان تمام روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعی ماں، رضاعی باپ

اور رضاعی بہنوں کے علاوہ دوسرے سعدی رشتہ داروں نے ملاقاتِ نبوی کا ترف اور عطایائے نبوی کا صلہ بار بار حاصل کیا تھا۔ یہ رسول اکرم ﷺ کے معیارِ عدل اور حسنِ سلوک کے مطابق بھی ہے۔ پھر مکہ اور طائف اور قریش وہوازن کے مختلف الجہات روابط، مکہ اور خانۂ کعبہ کی مرکزیت، رسول اکرم ﷺ کی بعثت اور اسلامی تحریک اور دوسرے واقعات ایسے نہیں تھے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے خاندان والے اتنے بے بہرہ رہتے کہ اپنے مکفول کی خبر نہ لیتے۔

ابن حزم اندلسی نے خاندان بنوسعد بن بکر کو رضاعِ نبوی کا خاندان کہا ہے اور متعدد قدیم راویوں نے ان سے رضاعی رشتوں کا ذکر کیا ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعتِ نبوی سے قبل حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ کی رضاعتِ سعدی کا ذکر ملتا ہے اور خاص ایک اور ہاشمی رضاعتِ حلیمہ سعدیہ میں حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمی رضی اللہ عنہ کا۔ ان تین ہاشمی رضاعتوں کا زمانہ ۵۶۷ء سے ۵۷۳ء تک وسیع ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ بہرحال اپنے رضاعی فرزندوں کو لینے کے لئے مکہ مکرمہ آئی تھیں اور وہ ان کے مسلسل آنے کو بتاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ دوسری سعدی خواتین اور بدوی عورتیں رضاعت کے لئے بچوں کو ہر سال آ کر لے جایا کرتی تھیں۔ یہ سالانہ زیارت تھی۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے بہرحال اپنے تین بچوں کے ساتھ تین مختلف زمانوں میں قریشی اور مکی بچوں کی رضاعت کا کام کیا تھا۔ اس لئے ان تمام رضاعتوں کے زمانے میں ان کی آمد۔ مسلسل آمد۔ بلا ثبوت نہیں رہ جاتی۔

رسول اکرم ﷺ سے بالخصوص اور دوسرے اکابرِ بنی ہاشم وقریش سے بالعموم حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے سماجی تعلقات اور محبت بھرے روابط تا زندگی قائم ودائم رہے۔ مولانا مودودیؒ کا یہ تبصرہ قطعی درست اور واقعی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس خاندان ذی شان سے ہمیشہ احسان وصلہ رحمی کا سلوک فرمایا۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے

رضاعی تعلق بعد کی معاشرتی زندگی میں رنگ لایا۔ وہ خاندانِ رسالت اور دوسرے مکی اکابر سے برابر ملتی رہیں اور غالباً ان کے رضاعی فرزندوں نے بھی ان سے ہمیشہ تعلقِ خاطر رکھا تھا۔ اگرچہ روایات میں تسلسلِ ربط و محبت کا توڑا ہے مگر فطری قوانینِ محبت، رسول اکرم ﷺ کے مکارمِ اخلاق اور عرب روایات کا تقاضا ہے کہ ان دو طرفہ تعلقات کی تازگی اور تابندگی ہمیشہ قائم رہتی۔ غزوۂ حنین تک حضرت شیماء کا خاص ربط و تعلق اور بنوسعد کے خاندان کی وجہ سے تمام ہوازنی اسیروں کی رہائی کا واقعہ اسی قدیم رضاعی تعلقِ خاطر کا شاخسانہ اور اسی کا ثمرۂ محبت تھا۔ حیاتِ نبوی میں اس کا دورانیہ ساٹھ سال کے طویل عرصے کو محیط ہے، جو حضرت ثویبہؓ سے تعلق والفت کا دورانیہ بھی ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے خاندان عالیشان سے یہ تعلق و ربط حیاتِ نبوی کے بعد بھی خلافتِ راشدہ کے اولین دور میں بھی جاری ساری رہا۔ اور حضرات شیخین اسی رضاعتِ نبوی کی رعایت میں ان سے احسان و خیر اور صلہ رحمی اور حسنِ سلوک کا معاملہ ہمیشہ فرماتے رہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے فرزندانِ رضاعی نے اپنی رضاعی ماں اور ان کے عزیزوں اور قرابت والوں کے ساتھ احسان شناسی کا تقاضا پورا کیا تھا۔ خالص تقویمی لحاظ سے ۵۶۷ء سے لے کر ۶۳۴ء تک تقریباً نصف صدی کا یہ ربط و محبت کا عنوان بن جاتا ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے خاندانِ عالی کے اسلام لانے کے سلسلے میں بلاشبہ علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اختلافِ علماء دراصل اختلافِ روایات کا شاخسانہ ہے اور اختلافِ روایات معلومات کی کمی بیشی اور عدمِ تجزیہ کا ثمرہ۔ ان دونوں طبقاتِ علماء و محققین کے اپنے اپنے دلائل و شواہد ہیں۔ اور ان کے تنقیدی تجزیے سے ان کے اسلام کے قائل علماء کا نقطۂ نظر صحیح لگتا ہے۔ عدمِ اسلام اور اثباتِ اسلام میں یوں بھی موخرالذکر کو منطقی طور سے ترجیح حاصل ہوتی ہے کہ بہرحال ایک بڑا طبقۂ متقدمین اس

کا قائل ہے۔ پھر قدیم وجدید علماء و محققین نے ان کے اسلام لانے کے دلائل بھی پیش کیے ہیں جو عدمِ اسلام کے قائلین کی دلیلوں کی تردید کرتے ہیں۔ مولانا شبلیؒ نے ان تمام علماء کا مختصر ترین اور جامع ترین ذکر کر دیا ہے۔ ان میں ابن ابی خیثمہ، ابن جوزی، منذری، ابن حجر اور مغلطائی کو شامل کیا ہے۔ موخر الذکر کا ایک خاص رسالہ ان کے اسلام لانے کے اثبات میں ہے: ''التحفة الجسيمة في إسلام حليمة''۔ ان کے علاوہ بہت سے سیرت نگاروں اور جامعینِ سیرت وسوانح کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جیسے قسطلانی، زرقانی، شامی، حلبی اور دوسرے متاخرین۔ متقدمین میں بھی ان کے اسلام کے قائلین کی تعداد کم نہیں ہے۔ بلکہ امام حلبی کا یہ تبصرہ اور نقد جو حافظ ابن کثیر کے عدمِ اثبات کے حوالے سے ہے بڑا معنی خیز ہے کہ بعض متاخرین کے انکار سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ متقدمین ان کے اسلام کے قائل ہیں اور محققین کا بھی یہی خیال ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی تمام رضاعی ماؤں میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کو جو مقام ومرتبہ حاصل ہے وہ ان کا منفرد وممتاز مقام ہے۔ اپنی اصل اور بنیادی رضاعت کی بنا پر وہ ام الامھات کی منزلت رکھتی ہیں اور اس کی وجہ سے سب پر فضیلت بھی رکھتی ہیں۔ بعض دوسرے اکابر بنی ہاشم کی رضاعتوں نے ان کو حضرت ثویبہؓ کی مانند خاندانِ رسالت کی ایک مستقل رضاعی ماں کا درجہ عطا کر دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے اگرچہ صحیح احادیث کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا نام نامی اور ان کی رضاعت کا ذکر نہیں ملتا تاہم صحیح راویانِ حدیث وسیرت نے ان کے فضل واحسان کی ان گنت روایات جمع کر کے ان کو حیاتِ نبوی کا ایک دلآویز باب بنا دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے بہر حال ان کی رضاعی احسان کا ذکر فرمایا اور ان کو ہمیشہ ماں کی طرح یاد رکھا اور ان کا سدا اعزاز واکرام فرمایا۔ اپنی عظیم وجلیل خدمات اور محبتِ نبوی کی بنا پر

حضرت حلیمہ سعدیہؓ حیاتِ نبوی اور سیرتِ طیبہ کا ایک درخشاں اور جلی عنوان ہیں۔ یہ ان ہی کے دودھ کے قطراتِ مبارکہ تھے جو رسول اکرم ﷺ کے جسم و جاں کی قوت اور ذہن و دماغ کی طاقت بن گئے تھے اور ان ہی نے آپ ﷺ کو صحت و جلادت، ہمت و شجاعت، فصاحت و بلاغت اور اولین جسمانی و روحانی طہارت کے بنیادی اسباق پڑھائے تھے۔

☆☆☆

دیگر رضاعی مائیں

رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کرنا حقیقت میں ایک شرف تھا جس سے اول اول حضرت ثویبہ مشرف ہوئیں۔ ان کے بعد مستقل رضاعت کا شرف وافتخار حضرت حلیمہ سعدیہ کو حاصل ہوا کہ انھوں نے پوری مدتِ رضاعت بھر دودھ پلایا۔ ان کو یہ بھی افتخار حاصل رہا کہ رضاعت کے دو سالہ اسلامی اور حنفی دورِ رضاعت کے خاتمہ کے بعد بھی پرورش و پرداخت کا موقعہ ملا اور وہ مزید تین سال کو محیط تھا۔ اس پانچ سالہ زمانے میں رسول اکرم ﷺ کو ان کے علاقہ میں قیام وتوطن کا موقعہ ملا۔ اس عرصہ میں جہاں دوسرے واقعات واحوال کا ظہور ووجود ہوا وہاں آپ ﷺ کی بعض دوسری رضاعتوں کا بھی واقعہ پیش آیا۔

حافظ ابن قیم اور بعض دوسرے علماء اسلام اور اہلِ سیرت کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی ایک اور سعدی رضاعی ماں تھیں جنھوں نے آپ ﷺ کو ایک آدھ بار دودھ پلایا تھا۔ وہ اصلاً حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی رضاعی ماں تھیں اس لحاظ سے رسول اکرم ﷺ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کے دوہرے رضاعی بھائی تھے: ایک حضرت ثویبہ کی نسبت سے اور دوسرے اس نامعلوم رضاعی سعدی ماں کے حوالہ سے۔ بعض متاخرین نے ان کے بیان وروایت کو جوں کا توں نقل کر دیا ہے اور ان گمنام سعدی مرضعہ کی تعیین کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، جب کہ دوسرے اصحابِ تحقیق نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے۔

گمنام سعدی مرضعہ یا حضرت حمزہ ہاشمیؓ کی سعدی مرضعہ کی تعیین کی کوشش میں دو طبقاتِ علماء بن گئے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو حضرت حلیمہ سعدیہ کو ہی حضرت حمزہ ہاشمیؓ کا دودھ پلانا ثابت کرتا ہے کہ ایک بار انھوں نے ایسا کیا تھا۔ دوسرا طبقہ یہ

اصرار کرتا ہے کہ حضرت حمزہ ہاشمیؓ کی گمنام سعدی مرضعہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے ملاقات کے لئے آئیں اور اس دوران انھوں نے رسول اکرم ﷺ کو کسی وجہ سے دودھ پلا دیا اور اس طرح دونوں چچا بھتیجے کو شریکِ رضاعت بنا دیا۔ بعض علماء نے توجیہ کی ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اس وقت موجود نہ تھیں اور رسول اکرم ﷺ بھوک سے بیتاب تھے۔ یہ واقعہ صحیح بھی ہوسکتا ہے۔

اس دوسری سعدی رضاعت نبوی کے سلسلے میں کئی سوال اٹھتے ہیں جن کا جواب پانا ضروری ہے۔ اول یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ کی رضاعتِ سعدی میں رسول اکرم ﷺ کی شراکت کا زمانہ ایک تھا یا مختلف تھا۔ اس سوال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ روایات کے مطابق حضرت حمزہ ہاشمیؓ کی عمر رسول اکرم ﷺ سے دو سال یا چار سال زیادہ تھی۔ دو سال عمر زیادہ ماننے والے علماءِ نسب و تاریخ و سیرت نے دونوں کے زمانۂ رضاعت کو ایک مانا ہے کہ حضرت حمزہؓ کی رضاعت کا زمانۂ آخر تھا اور رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کا آغاز تھا اور دونوں ایک ہی دودھ میں شریک تھے۔ درایتی لحاظ سے اور حضرت ثویبہؓ کے شرف و فرض رضاعت سے اس توجیہ پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ حضرت ثویبہؓ کی رضاعت میں دونوں ۔ حضرت حمزہؓ اور رسول اکرم ﷺ ۔ کی ایک زمانۂ رضاعت میں شراکت کی یہی توجیہ کی جاتی ہے۔ اس پر سوالیہ نشان یہ لگتا ہے کہ اگر رسول اکرم ﷺ نے حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ حضرت حمزہؓ کے اواخر میں شرکت فرمائی تھی تو حضرت حمزہؓ کی رضاعت ثویبہ کے وقت عمِ مکرم مکہ میں تھے اور غالباً وہ ان کی مستقل رضاعت ثویبہ تھی۔ پھر سعدی خاتون کی رضاعتِ حمزہؓ اور اس میں رسول اکرم ﷺ کی شراکت کیونکر ممکن ہے؟ سعدی خاتون کی رضاعتِ حمزہؓ کی روایت بتاتی ہے کہ یہ واقعہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعتِ حلیمہ سعدیہؓ کے زمانے میں پیش آیا تھا، اس لئے ان دونوں چچا بھتیجے کا بیک وقت بنوسعد بن بکر میں موجود ہونا

لازم آتا ہے لیکن رضاعت حضرت ثویبہؓ میں دونوں کے اشتراک کا واقعہ یا توجیہ ایک زمانے کی رضاعت کی نفی کرتی ہے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ہاشمی فرزندوں کی سعدی رضاعتیں دو الگ الگ زمانے کی تھیں۔ اسی بنا پر حضرت حمزہؓ کی چار سال عمر زیادہ ہونے کی روایت قوی معلوم ہوتی ہے۔ اور مشہور اور محقق صاحبانِ علم نے اسی کو ترجیح دی ہے اگرچہ ان کی وجہِ ترجیح دوسری ہے۔ بہر حال اس روایت کے قبول کرنے کی صورت میں واقعہ کی نوعیت یہ ہوگی کہ حضرت حمزہؓ کی سعدی رضاعت کے ختم ہونے کے دو سال بعد جب رسول اکرم ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس رضاعت کے لئے گئے تو آپ ﷺ کے چچا کی مرضعہ نے موقع پاکر آپ ﷺ کو دودھ پلا دیا اور اس طرح رضاعتِ نبوی کا شرف پایا اور حضرت حمزہؓ کو دوہری شراکتِ رضاعت کا شرف بخشا۔

حضرت حمزہؓ کی کسی سعدی رضاعت کا واقعہ دوسری روایات اور درایتی اصول پر بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اب تک کسی روایتِ سیرت و تاریخ میں رسول اکرم ﷺ کی رضاعت میں شراکت کے حوالے کے علاوہ حضرت حمزہؓ کی سعدی رضاعت کا ذکر نہیں مل سکا۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعتِ نبوی کے ضمن میں بھی یہ حوالہ نہیں آسکا کہ کسی اور سعدی خاتون نے کسی اور ہاشمی کی رضاعت کا شرف آپ ﷺ سے پایا تھا اور نہ ہی بعد میں حضرت حمزہؓ کا ذکر آتا ہے۔ حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ نبوی کے ضمن میں جو صراحت آتی ہے وہ بڑی معنی خیز ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے حضرت حمزہؓ کی رضاعت انھوں نے کی تھی اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ کی۔ ایسی کسی سعدی رضاعت حمزہؓ کی صراحت نہیں ملتی ہے۔ اس لئے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کی سعدی رضاعت کا واقعہ مزید تحقیق طلب بن جاتا ہے جو ابھی کرنا باقی ہے۔ البتہ اس کے امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حضرت حلیمہؓ کے

رضاعتِ نبوی کے واقعہ و روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سعدی خواتین رضاعتِ ہاشمیان و اہلِ مکہ کے لئے ہر سال شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ آیا کرتی تھیں۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ چار سال قبل کسی سعدی خاتون نے حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ حضرت حمزہؓ کے بعد حضرت حمزہؓ کو رضاعتِ مستقل کے لئے بنو سعد میں لے گئی ہوں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ راویوں نے ان رضاعتوں میں سے کسی بھی شخص کی متعین رضاعت کی بات نہیں کہی۔ حضرت ابو سفیان بن حارثؓ کی سعدی رضاعت کے بارے میں بالعموم اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی رضاعت کے بارے میں بالخصوص تصریحات ملتی ہیں لیکن ان میں بھی چند روزہ اور مستقل رضاعت کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان تمام احوال و ظروف اور روایتی و درایتی خلاؤں کے سبب حضرت حمزہ ہاشمیؓ کی کوئی سعدی رضاعت محض کہانی بن کر رہ جاتی ہے۔

سعدی رضاعت میں شرکت کی روایتِ ابن قیم وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں اصل نکتہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعت میں شرکت کا شرف ہے۔ اسی "شرف" کے اثبات کے لئے حضرت حمزہؓ کی رضاعتِ نبوی میں شرکت کی بات کہی گئی ہے۔ اور حضرت ثویبہؓ کی رضاعتِ نبوی میں شرکت کے شرف کا عنصر دوسرے ہاشمی اکابر کی رضاعتوں میں نظر آتا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ حضرت ثویبہؓ کی رضاعت میں شرکت کا واقعہ سچا اور کھرا ہے کہ زبان رسالت مآب ﷺ سے اس کا اثبات ملتا ہے۔ دوسرے یہ بھی اہم بات ہے کہ محدثینِ کرام اور اصحابِ سیرت دونوں نے رضاعت کے احکامِ حرمت کے حوالے سے اس مشترکہ رضاعت کو بیان کیا ہے۔ جب کہ حضرت حمزہؓ کی سعدی رضاعت کے ضمن میں یہ فقہی زاویہ مفقود ہے۔ بہر حال رضاعتِ نبوی میں شرکت کی سعادت کے خیال نے راویوں کو فکری جولانیاں دکھانے کا موقعہ دیا اور انھوں نے دوسری متعدد رضاعاتِ نبوی کو بیان کر دیا۔ پہلے ان دیگر

رضاعاتِ نبوی کی روایات کا بیان پھر ان کا تجزیہ آئے گا۔

امام حلبی اور بعض دوسرے متاخر اور جامعِ روایات سیرت نگاروں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے:

"کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے آٹھ عورتوں سے رضاعت پائی اور حضرت خولہ بنت المنذر اور حضرت ام ایمن عزیزہ کو شامل کر کے کہا گیا ہے کہ دس خواتین سے رضاعت حاصل کی: "یقال إنه ﷺ ارتضع من ثمانية من النساء، وقيل من عشرة، بزيادة خولة بن المنذر وأم أيمن عزيزه......" (۱)

امام حلبیؒ نے رضاعت نبوی کا باب ہی اس بیان سے شروع کیا ہے۔ پھر حضرت ثویبہؓ اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی دو رضاعتوں اور ان کے متعلقہ واقعات کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اور فصل کے خاتمہ پر لکھا ہے کہ بعض کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی مرضعات چار ہیں: آپ ﷺ کی والدہ، اور حلیمہ سعدیہ اور ثویبہ اور ام ایمن" ولكن هذا البعض قال ومرضعاته ﷺ أربع: أمه وحليمة السعدية، وثويبة وأم أيمن......" (۱/۱۰۵) بقیہ چھ یا چار مرضعات کی تفصیل ان کے ہاں نہیں مل سکی۔

شیخ احمد شبلنجی اور ان کے خوشہ چیں مولانا نواب سید صدیق حسن خانؒ نے ان مرضعات کے بارے میں کافی تفصیل یا ضروری صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔ نواب موصوف نے ایک خاص فصل مرضعاتِ نبوت پر قائم کر کے لکھا ہے کہ "حضرت کو آٹھ بیبیوں نے دودھ پلایا: آپ کی ماں نے تین دن یا سات دن، پھر ثویبہ اسلمیہ جاریۂ ابولہب نے ...... یہ شیر خوارگی چند روز قبل قدوم حلیمہ سعدیہ کے تھی، پھر خولہ بنت المنذر اور ام ایمن نے ذکر هما اليعمري ۔ پھر ایک زنِ سعدیہ نے علاوہ حلیمہ کے ذکرها ابن القيم ، پھر تین عورتوں نے ان میں ہر ایک کا نام عاتکہ تھا نقله السهيلي عن بعضهم في الكلام عن قوله ﷺ أنا ابن العواتك ۔حياة

(۱) حلبی ۱/۸۴: بابِ ذکر رضاعه ﷺ وما اتصل به

الحیوان میں کہا ہے: عواتک تین عورتیں ہیں امہات آنحضرت ﷺ میں: ایک عاتکہ بنت ہلال بن فالج مادر عبد مناف بن قصی، دوم عاتکہ بنت مرہ بن ہلال مذکور مادر ہاشم بن عبد مناف۔ سوم عاتکہ بنت الاوقص مادر وہب پدر آمنہ مادر آنحضرت ﷺ۔ عاتکہ اس کو کہتے ہیں جو خوشبو دار ہو۔ انتہیٰ'' (۱)

نواب موصوف کا اردو ترجمہ شیخ شبلنجی کی عربی عبارت کا بالکل صحیح ترجمہ ہے البتہ بعض الفاظ کا نسب نامہ میں ذکر نہیں کیا ہے جیسے مادر عبد مناف بن قصی کے دادا کا پورا نام فالج بن ذکوان لکھا ہے اور وہی مادر ہاشم کے نسب نامہ میں ہے۔ اسی طرح مادرِ وہب زہری کا پورا نسب شبلنجی یہ ہے: عاتکہ بنت الاوقص بن مرہ بن ہلال۔ اور اس کے آخر میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ عواتک عاتکہ کی جمع ہے۔ بقیہ تفصیلات اور ترجمہ کی عبارت و اصل کی عبارت میں فرق نہیں ہے۔

اس روایت یا بیان میں کئی نکات قابل غور ہیں:

- اول اس میں آٹھ مرضعات کا ذکر ہے، دس کا نہیں۔
- دوم حضرت آمنہؓ اور حضرت ثویبہؓ کی دو رضاعتوں کا ثبوت ملتا ہے جو بہت کافی ہے۔
- سوم حضرت خولہ بنت المنذر اور حضرت ام ایمنؓ کی دو مزید رضاعتوں کا حوالہ صرف یعمری کے حوالے سے لیا گیا۔ ان کا ماخذ کیا تھا اور ان رضاعتوں کا حال کیا تھا۔ اس پر کوئی بحث نہیں ہے۔
- چہارم ابن قیمؒ نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے سوا ایک اور سعدی مرضعہ کی رضاعت کا ذکر کیا ہے مگر ماخذ وہاں بھی مفقود ہے۔
- پنجم تین عاتکہ نامی خواتین کو بھی مرضعاتِ نبوی میں شمار کیا گیا ہے اور وہ بھی بلا حوالہ ہے۔
- ششم امام سہیلی کے بیان عواتک سے ان کی امہاتِ نبوی کے ساتھ ساتھ

(۱) الشمامة العنبرية: ۱۳-۱۴؛ نور الابصار: ۹-۱۰

مرضعات سمجھ لیا گیا ہے۔

- ہفتم حیاۃ الحیوان کا حوالہ عواتک کی وضاحت کر کے بتایا ہے کہ وہ مرضعات نہیں، رسول اکرم ﷺ کی امہات تھیں یعنی آپ ﷺ کی دادیاں اور پردادیاں اور پرنانیاں وغیرہ۔

دیگر مرضعات کے اس بیان کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

- یعمری کی بیان کردہ دو دیگر مرضعات۔ حضرت خولہ بنت المنذرؓ اور حضرت ام ایمن۔ کا ذکر بلا حوالہ و ماخذ تو ہے ہی محض روایتی بیان خوش گمان ہے۔ درایتی لحاظ سے ان دونوں کی رضاعتِ نبوی ثابت نہیں ہوتا اور قدیم ترین ماخذ بھی اس کی تائید و تصدیق میں نہیں ملتے۔ حضرت ام ایمنؓ کو انا (حاضنہ) کی بجائے مرضعہ سمجھ لیا گیا۔ بلاشبہ وہ رسول اکرم ﷺ کی انا اور کھلائی اور دایہ تھیں مگر آپ ﷺ کی رضاعت کرنے کا شرف ان کو نہیں ملا۔ کیونکہ حضرت ام ایمن کی رضاعتِ نبوی کے زمانے سے قبل شادی ہی نہیں ہوئی تھی۔ ان کی شادی خود رسول اکرم ﷺ نے اپنی جوانی میں کی تھی تب رضاعت کا زمانہ کہاں تھا۔ حضرت خولہ بنت المنذرؓ کا معاملہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ ان کا ذکرِ خیر کسی قابل ذکر ماخذ سیرت و سوانح میں نہیں ملتا۔

عاتکہ نامی خواتین کا ذکر خیر ضرور ملتا ہے اور وہ رسول اکرم ﷺ کی امہات کے بطور ملتا ہے جیسا کہ "حیاۃ الحیوان" نے باقاعدہ صراحت کر دی ہے۔ وہ رسول اکرم ﷺ کے جد امجد جناب ہاشم بن عبد مناف اور عبد مناف بن قصی کی ماؤں کے نام ہیں۔ تیسری رسول اکرم ﷺ کے نانا جناب وہب بن عبد مناف زہری کی ماں تھیں۔ یہ تینوں عواتک ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی مرضعات نہ تھیں۔ امام سہیلیؒ نے رسول اکرم ﷺ کی حدیث: "أنا ابن العواتك" کے ضمن میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مفہوم یہی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی جدات تھیں نہ کہ مرضعات، اور فرمانِ نبوی کا

واضح مطلب بھی یہی ہے۔ اس سے مرضعاتِ نبوی مراد لینا خاصا تعجب انگیز ہے۔

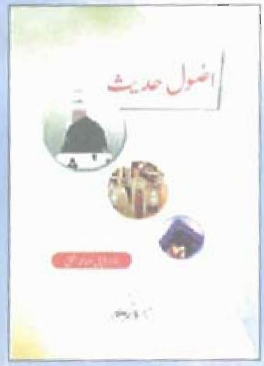
مرضعاتِ نبوی کی تعداد بڑھانے کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کا شرف متعدد خواتین کی جھولی میں ڈالا جائے خواہ اس کی کوئی تاریخی سند اور واقعاتی روایت ہو یا نہ ہو۔ متاخر جامعینِ روایات کا یہی وطیرہ ہے دوسری وجہ ان جامعینِ روایات کا زیادہ سے زیادہ روایات، خواہ بے سروپا ہوں، کا ہونا ہے، وہ ہر باب میں اور ہر موضوع سے متعلق بہت سی روایات جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ طرفہ ستم یہ ہے ان کے مآخذ ومصادر کی نشاندہی بھی ٹھیک سے نہیں کرتے اور اگر کسی نے کر دی تو اس فقرہ پر اکتفا کرتے ہیں کہ فلاں نے ذکر کیا جیسا کہ خولہ بنت منذر اور حضرت ام ایمن کے بارے میں یہ کہہ دیا ہے کہ ان دونوں کا یعمری نے اور ایک گمنام سعدی مرضعہ کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ کے ذکر کرنے کا حوالہ دے دیا ہے۔ یہ سب متاخر حوالے ہیں ان کے اعتبار وثقاہت کے لئے ضروری ہے کہ قدیم رواۃ سیرت اور امامانِ تاریخ سے سند لائی جائے جو بالعموم نہیں ملتی۔ دوسرے یہ جامعین روایات یا انفرادی رواۃ روایات کا تجزیہ نہیں کرتے۔ درایتی تجزیہ اور تنقید دراصل ان کے فرض منصبی میں شامل نہیں۔

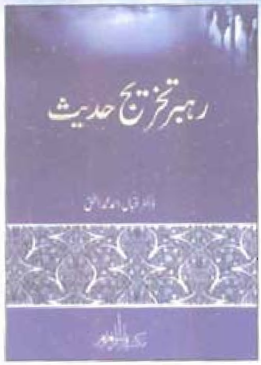
بہرحال ان تمام دیگر رضاعاتِ نبوی کا تاریخی تجزیہ اور تنقیدی تحلیل کی جاتی ہے تو واضح ہوتا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہیں۔ وہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعت حضرت ثویبہ اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے زمانہ رضاعت میں ممکن نظر نہیں آتیں۔ بلاشبہ بعض عارضی اور لمحاتی رضاعتوں کا امکان ضرور ہے کہ ان دو ثابت شدہ رضاعتوں کے درمیان ہی کسی مرضعہ نے کسی فوری سبب سے آپ ﷺ کی رضاعت کا شرف پا لیا ہو، لیکن یہ بہرحال خاصا بعید امکان ہے اور اسی کے سبب گمنام سعدی خاتون کی رضاعتِ نبوی کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اس کا معاملہ بھی خاصا عجیب ہے۔ ان کا نام ونسب ہی نہیں

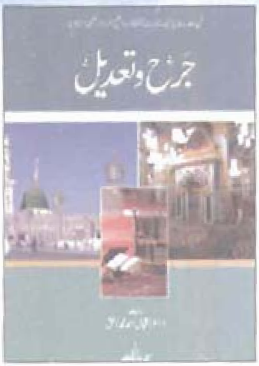
بیان کیا جاتا۔ رضاعتِ حمزہؓ ہو یا رضاعت نبوی ﷺ دونوں ایسے واقعات نہ تھے کہ ان کے بارے میں کوئی تفصیل نہ ملتی۔ کم از کم ان کا نام تو ملتا جیسا حضرت ثویبہؓ کی رضاعت کے بارے میں احادیث شریفہ میں یا روایاتِ سیرت میں ملتا ہے۔ اس بحث کا خلاصہ ایک مختصر تبصرہ میں یہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی مرضعات صرف دو تھیں والدہ ماجدہ کے سوا: اول حضرت ثویبہ اور دوم حضرت حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ عنہما) باقی صرف روایت پرستی کے شاخسانے ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

☆☆☆









مکتبہ قاسم العلوم

Ph: 042-37231119 , 0321-4021415
qasimulaloom@gmail.com